# دیوبندی بریلوی

## اختلافات کا حل

قرآن و احادیث مبارکہ اور فقہ حنفی کی روشنی میں

جس میں دیوبندی اور بریلوی مکتب فکر کے درمیان پائے جانے والے اختلافات کے بارے میں قرآن و احادیث مبارکہ اور فقہ حنفی کا نقطہ نظر بیان کیا گیا ہے

جمع و ترتیب
حضرت اقدس مفتی عبداللہ صاحب مد ظلہ العالی

مکتبہ حمادیہ

# فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## نحمده ونصلی ونسلم علی رسوله الکریم

## تمہید

سب سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ "دینِ حق" کیا ہے جس کو معیار بنا کر ہم اس بات پر غور کرسکیں کہ کونسا فرقہ حق پر ہے یا حق سے قریب تر؟ آپ اور سب مسلمان جانتے ہیں کہ "دین حق" وہ پیغام الٰہی ہے جو ہمارے آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے۔ جس پر آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ کی نگرانی میں آپ ﷺ کے رفقاء نے عمل کیا اور جس کی قیامت تک حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا۔ یہ دینِ حق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید، آنحضرت ﷺ کے ارشادات، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل، ائمہ مجتہدین کی تشریحات کی صورت میں محفوظ کردیا۔ الحمد للہ اس امت کے پاس آج بھی یہ ساری چیزیں بالکل صحیح سالم اس طرح محفوظ ہیں کہ گویا آج کے لئے ہی یہ دین نازل کیا گیا تھا۔

دوسری بات جس کا سمجھ لینا ضروی ہے۔ وہ یہ ہے کہ امت میں دو قسم کے اختلافات ہوئے ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے دونوں کے بارے میں امت کو ہدایات بھی عطا فرمائیں۔

پہلی قسم کا اختلاف وہ ہے جو اجتہادی مسائل میں صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ اور ائمہ مجتہدین کے درمیان رونما ہوا۔ جو آج حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی اختلاف کے

نام سے مشہور ہے۔ یہ اجتہادی اختلاف خود آنحضرت ﷺ کے مبارک دور میں بھی کبھی کبھی رونما ہو جاتا تھا۔ مثلاً ایک موقعہ پر آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بنو قریظہ کی بستی میں پہنچنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنو قریظہ پہنچ کر۔ اتفاق سے وہاں پہنچنے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو تاخیر ہو گئی اور نمازِ عصر کا وقت ضائع ہونے لگا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مشورہ کیا کہ کیا ہونا چاہئے؟ مشورہ میں دو فریق بن گئے۔ ایک کی رائے یہ تھی کہ جب آنحضرت ﷺ نے صاف صاف فرما دیا ہے کہ بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے عصر کی نماز نہ پڑھی جائے تو اب راستے میں نماز پڑھنے کا کیا جواز ہے؟ اس لئے خواہ نماز قضا ہو جائے مگر ارشاد نبوی کی تعمیل ضروری ہے۔ مگر دوسرے فریق کی رائے یہ تھی کہ اس حکم کا منشائے مبارک یہ تھا کہ ہمیں عصر کا وقت ختم ہونے سے پہلے پہلے بنو قریظہ پہنچ جانا چاہئے اور عصر کی نماز وہاں پہنچ کر پڑھنی چاہئے لیکن اب جب کہ ہم غروب سے پہلے وہاں نہیں پہنچ سکتے تو نماز قضا کرنے کے کوئی معنی نہیں۔ اگر ہم سے وہاں پہنچنے میں تاخیر ہو گئی ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ اب ہم نماز عصر قضا کر کے اپنی کوتاہی میں مزید اضافہ کریں۔

الغرض پہلے فریق نے ارشاد نبوی ﷺ کی تعمیل میں عصر کی نماز قضا کرنا گوارا کیا۔ مگر ارشاد نبوی ﷺ کے ظاہر سے ہٹنا گوارا نہیں کیا اور دوسرے فریق نے منشائے نبوی ﷺ کی تعمیل ضروری سمجھی۔ راستے میں اتر کر نماز عصر پڑھی اور پھر بنو قریظہ پہنچے۔ جب بارگاہ نبوی ﷺ میں یہ واقعہ پیش ہوا تو آپ ﷺ نے کسی فریق کو عتاب (ملامت) نہیں فرمایا بلکہ دونوں کی تصویب فرمائی (یعنی حق پر قرار دیا) کیونکہ دونوں منشائے نبوی ﷺ کی تعمیل میں کوشاں تھے۔ اس قسم کی اور بھی بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں۔

الغرض ایک اختلاف یہ ہے جس کو "اجتہادی اختلاف" کہا جاتا ہے۔ یہ اختلاف نہ صرف ایک فطری اور ناگزیر چیز ہے۔ بلکہ آنحضرت ﷺ نے اس کو "رحمت" فرمایا ہے۔اور جس شخص کو حق تعالیٰ نے ذرا بھی نورِ بصیرت عطا کیا ہو، اس کو اس اختلاف کا "رحمت" ہونا کھلی آنکھوں نظر آتا ہے، فرصت اس کی متحمل نہیں ورنہ اس پر مزید روشنی ڈالتا۔ الغرض یہ اختلاف بالکل صحیح ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ ائمہ مجتہدین (امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد رحمہم اللہ میں سے) جس امام مجتہد سے اعتقاد ہو، اس کے اجتہاد پر عمل کیا جائے اور باقی بزرگوں کے بارے میں ادب واحترام کو ملحوظ رکھا جائے، کیونکہ یہ تمام حضرات اعلیٰ درجہ کے ماہرِ دین بھی تھے اور صاحب باطن عارف باللہ بھی، بعد کے لوگوں میں سے کوئی شخص نہ ان کے پائے کا عالم ہوا ہے اور نہ نورِ معرفت میں کوئی ان کی ہمسری کرسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے اکابر اولیاء اللہ مثلاً حضرت پیران پیر سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ، بابا فرید الدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ، مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سب ان ائمہ مجتہدین کے پیروکار رہوئے ہیں۔ دوسری قسم کا اختلاف "نظریاتی اختلاف" کہلاتا ہے آنحضرت ﷺ نے اس اختلاف کی بھی پیشن گوئی فرمائی تھی اور اس اختلاف میں حق وباطل کو جانچنے کا معیار بھی مقرر فرمایا تھا۔ چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

"بنو اسرائیل ۷۲ رفرقوں میں بٹے تھے اور میری امت ۷۳ رفرقوں میں بٹے گی (یعنی تقسیم ہوگی)۔ یہ سب کے سب سوائے ایک کے جہنم میں جائیں گے۔ عرض کیا گیا۔ یارسول اللہ! یہ نجات پانے والا فرقہ کونسا ہے؟ فرمایا" جو لوگ اس راستے پر

قائم رہیں گے جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ ؓ ہیں"۔

ایک اور حدیث میں فرمایا: "۷۲ دوزخ میں جائیں گے اور ایک جنت میں اور یہ "الجماعت" یعنی برحق جماعت ہے اور کچھ لوگ نکلیں گے جن میں خواہشات اور غلط نظریات اس طرح سرایت کر جائیں گے جس طرح پاگل کتے کے کاٹے ہوئے شخص کی بیماری ہوتی ہے۔ کہ اس کا کوئی جوڑ اور رگ و ریشہ ایسا نہیں رہتا جس میں یہ بیماری سرایت نہ کر جائے۔"

ایک اور حدیث میں ہے۔ "جو شخص تم میں سے میرے بعد زندہ رہا وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا۔ اس لئے میرے طریقہ کو اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین ؓ کے طریق کو لازم پکڑو! اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لو۔ اور دیکھو! جو باتیں نئی نئی ایجاد کی جائیں گی ان سے احتراز کیجیو۔ اس لئے کہ ہر وہ چیز (جو دین کے نام پر) نئی ایجاد کی جائے وہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"

ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک خط (لکیر) کھینچ کر فرمایا: "یہ تو اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے"۔ اور اس کے دائیں بائیں کچھ لکیریں کھینچ کر فرمایا: "یہ وہ راستے ہیں جن میں سے ہر ایک پر ایک شیطان بیٹھا لوگوں کو ورغلا رہا ہے کہ ادھر آؤ! یہ صحیح راستہ ہے"۔ یہ ارشاد فرما کر آنحضرت ﷺ نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی، جس کا ترجمہ یہ ہے۔ "یہ میرا سیدھا راستہ ہے پس اس پر چلو" (سورہ انعام آیت نمبر ۱۵۴) (یہ تمام حدیثیں مشکوٰۃ شریف میں ہیں) اس موضوع پر آنحضرت ﷺ کے بہت سے ارشادات ہیں جن کو اس وقت جمع کرنا میرے لئے ممکن نہیں۔ اور نہ اس کی ضرورت ہے ان ارشاداتِ مقدسہ سے واضح طور پر حسب ذیل باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱) آنحضرت ﷺ نے امت میں نظریاتی اختلاف کے رونما ہونے کی پیشن گوئی فرمائی۔

(۲) اس اختلاف کو ناپسند فرمایا اور اہل حق کی ایک جماعت کے سوا باقی سب کو دوزخ کی وعید سنائی۔

(۳) اس اختلاف میں حق و باطل کو پہچاننے کا معیار آنحضرت ﷺ نے یہ معین فرمایا کہ جو شخص یا جو گروہ آنحضرت ﷺ کے لائے ہوئے طریقے پر قائم ہے۔ جس پر آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی عمل پیرا رہے وہ حق پر ہے اور جو اس کے خلاف چلے وہ باطل پر ہے۔ گویا معیار حق آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا راستہ ہے قرآن نے بھی بہت سی جگہ اسی کو ''معیار حق'' قرار دیا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے۔

''اور جو شخص مخالفت کرے رسول ﷺ کی جب کہ اس کے سامنے ہدایت کھل چکی ہے، اور چلے مؤمنین کا راستہ چھوڑ کر، ہم اس کو دھکا دیں گے، جدھر وہ جاتا ہے اور اس کو دوزخ میں جھونک دیں گے اور وہ ہے بہت برا ٹھکانہ۔ [سورہ نساء آیت نمبر ۱۱۵]

......آیت کریمہ میں جن ''المؤمنین'' کے راستے کی نشاندہی کی گئی اس سے جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم مراد ہے۔

(۴) آنحضرت ﷺ نے ان تمام امور کو جو دین کے نام پر بعد میں ایجاد کئے گئے ''بدعت'' فرمایا۔

(۵) آپ ﷺ نے بدعات اور گمراہیوں کے ایجاد کرنیکی علت (وجہ) بھی بیان فرمائی یعنی غلط خواہشات کی پیروی۔ اور یہ ایسا مرض ہے کہ آدمی کے دل و دماغ ہی کو مسخ نہیں کرتا بلکہ جس طرح باؤلے کتے کے کاٹنے کا زہر آدمی کے سارے بدن میں سرایت کر جاتا ہے، اور وہ اچھا بھلا آدمی ہونے کے باوجود غیر انسانی حرکات پر اتر آتا

ہے۔اسی طرح جس شخص کو غلط نظریات کے باؤلے کتے نے کاٹ کھایا ہو اس کے رگ وریشہ میں بھی خودرائی (یعنی اپنی رائے کو ترجیح دینے) کا زہر سرایت کر جاتا ہے۔ اور اسے اپنے خودتراشیدہ نظریات کے سوا تمام دنیا افسانہ غلط نظر آنے لگتی ہے۔

(۶) آنحضرت ﷺ نے امت کو ہدایت فرمائی کہ ان اختلافات کے ظہور کے وقت وہ آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے خلفائے راشدین جن کا ہدایت پر ہونا ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے، کے طریقہ پر سختی سے قائم رہیں اسے دانتوں کی کچلیوں سے مضبوط پکڑ لیں۔ بدعات وخواہشات کے ہزاروں جھکڑ چلیں اور نئے نئے خوش نما قسم کے نظریات کی لاکھوں بجلیاں کوندیں مگر امت کے ہاتھ سے یہ مضبوط رشتہ ہرگز نہیں چھوٹنا چاہئے۔

(۷) آپ ﷺ نے یہ بھی بتایا کہ ''اللہ تعالیٰ کا راستہ'' وہی ہے جو آنحضرت ﷺ نے بتایا اور جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چلے۔ یہ راستہ قیامت تک رہے گا۔لیکن اس ''خدائی راستے'' کے بالمقابل کچھ شیطانی راستے بھی نکلیں گے اور ہر راستے پر ایک شیطان بیٹھا لوگوں کو خدائی راستہ سے ہٹا کر اپنے راستہ پر چلنے کی دعوت دے گا۔اپنی اس دعوت میں لوگوں کے مزاج اور ان کی نفسیات کے مطابق دلائل بھی دے گا اور خدا تعالیٰ کے راستہ کو نعوذ باللہ فرسودہ اور رجعت پسندانہ بھی بتائے گا۔مگر امت کو آگاہ رہنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا ٹھیک راستہ وہی ہے جو آنحضرت ﷺ نے بتایا۔جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم چلے اور جس کی پیروی ہمیشہ سلف صالحین اور اولیاء امت کرتے آئے۔اس ایک راستے کے سوا باقی سب شیطان کے ایجاد کئے ہوئے راستے ہیں۔ اور جو لوگ ان میں سے کسی راستے کی دعوت دیتے ہیں وہ شیطان کے ایجنٹ بلکہ مجسم شیطان ہیں۔جو شخص خدا تعالیٰ کی مقرر کردہ صراطِ مستقیم کو چھوڑ کر ان پگڈنڈیوں پر نکل

پڑے اسے معلوم ہونا چاہئے کہ وہ کسی اندھیرے غار میں کسی اژدہا کے منہ میں جائے گا۔ یا کسی لق ودق صحرا میں بھٹک کر کسی بھیڑئیے کا تر نوالہ بن کر رہ جائے گا۔ یہ اصول وقواعد جو قرآن کریم اور احادیث طیبہ میں صراحتہ ذکر کئے گئے ہیں اگر اچھی طرح ذہن نشین کر لئے جائیں تو ایک متوسط ذہن کے آدمی کو یہ سمجھ لینا زیادہ مشکل نہیں ہوگا کہ ان میں سے حق پر کون ہے؟ لیکن آپ کی آسانی کے لئے مختصراً اپنا تجزیہ بھی پیش کرتا ہوں۔

(بحوالہ اختلاف امت اور صراطِ مستقیم)

## دیوبندی بریلوی اختلاف

درحقیقت اگر دیکھا جائے تو "دیوبندی بریلوی اختلاف" کا لفظ ہی موجبِ حیرت ہے۔ شیعہ سنی اختلاف تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ماننے یا نہ ماننے کے مسئلے پر پیدا ہوا اور حنفی وہابی اختلاف ائمہ ہدیٰ کی پیروی کرنے نہ کرنے کے مسئلہ پر پیدا ہوا لیکن دیوبندی، بریلوی اختلاف کی کوئی بنیاد میرے علم میں نہیں اس لئے کہ دونوں فریق امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں۔ عقائد میں دونوں فریق امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابومنصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کو امام ومقتدا مانتے ہیں۔ تصوف وسلوک میں دونوں فریق اولیاء اللہ کے چاروں سلسلوں قادری، چشتی، سہروردی اور نقشبندی میں بیعت کرتے کراتے ہیں۔

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کی عظمت کے قائل ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد اور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تک سب اکابر کے عقیدت مند ہیں اور اکابر اولیاء اللہ کی کفش برداری (یعنی جوتے اٹھانے کو) سعادت دارین جانتے ہیں۔ تو پھر

اختلاف کیسا اور کیوں؟ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ دونوں فریقوں کے درمیان چند امور میں اختلاف ہے اس لئے میں کسی فریق کا نام لئے بغیر، قرآن وسنت رسول ﷺ اور فقہ حنفی کی تصریحات کی روشنی میں ان کے مختلف فیہ مسائل کے بارے میں اپنا نقطہ نظر پیش کر دینا کافی سمجھتا ہوں۔ جس سے قارئین کو یہ فیصلہ کرنے میں آسانی ہوگی کہ کون سا فرقہ حقیقی معنوں میں قرآن وسنت رسول ﷺ اور فقہ حنفی کی تعلیمات وتشریحات پر عمل پیرا ہے۔ (بحوالہ: اختلاف امت اور صراط مستقیم کچھ ترمیم کے ساتھ)

یاد رکھئے عقائد کا معاملہ (یعنی جن باتوں پر یقین رکھنا ضروری ہے) انتہائی نازک اور حساس ہے۔ قرآن کریم اور احادیث نبویہ ﷺ کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص کتنا ہی بڑا گنہ گار کیوں نہ ہو لیکن اگر اس کے عقائد درست ہیں یعنی جن باتوں پر یقین رکھنا ضروری ہے۔ ان باتوں پر اس کا یقین ہے اور مشرک نہیں ہے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحیم کریم ذات ایسے گنہگار، فاسق، فاجر کو مرنے کے بعد اپنی رحمت واسعہ سے یا تو فوراً بغیر کسی سزا کے معاف فرما کر اس کی مغفرت فرما دیں گے اور جنت کی اعلیٰ وحسین نعمتوں میں اس کو داخل فرمالیں گے یا پھر اس کے گناہوں پر اس کی جو سزا مقرر ہے وہ سزا ملنے کے بعد تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کی ضرور ہی مغفرت وبخشش ہو جائے گی لیکن خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اگر کسی شخص کے عقائد درست نہ ہوں خواہ ایک عقیدہ بھی درست نہ ہو وہ چاہے جتنے ہی نیک اعمال کرے، پوری زندگی روزے رکھے، ہر سال حج کرے، قرآن کا حافظ، قاری، عالم، مفتی بن جائے، ساری رات تہجد اور عبادت گزاری میں گزار دے لیکن اس کے یہ سارے نیک اعمال بھی اس بدعقیدہ شخص کو اللہ کے عذاب اور ہمیشہ ہمیشہ کی ناکامی وجہنم سے نہیں بچا سکتے۔ لہٰذا

انتہائی ضرورت اس بات کی ہے کہ اپنے عقائد کو درست رکھا جائے خواہ شرک وضلالت کی کیسی ہی تند وتیز اور طوفانی آندھیاں چلیں لیکن یہ بے دینی کے جھکڑ ہمارے پہاڑ جیسے مضبوط عقیدے کو متزلزل نہ کرسکیں۔ ہلا نہ سکیں۔

ہندوستان کے جلیل القدر عالم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ''شرک'' شریعت میں اس کو کہتے ہیں کہ جو صفتیں خاص اللہ تعالیٰ کی ہیں وہ اس کے غیر میں (یعنی اس کی مخلوق میں) ثابت کرے، یعنی جیسا علم اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا ہے......اور (کسی مخلوق) کا علم بھی ایسا ہی جانے یا جیسے اللہ کو قادر (قدرت والا) جانتا ہے ہر چیز پر، ایسا ہی اور کو بھی جانے یا جیسا وہ تصرف رکھتا ہے عالم میں اپنے ارادہ کے ساتھ، ویسا اور کو بھی جانے۔

(مظاہر حق ج ۱ اول ص ۱۴۱...... کتاب الایمان باب الکبائر وعلامات النفاق)

قرآن شریف کے ساتویں پارے میں سورۃ انعام کے نویں رکوع کے اندر آیت نمبر ۸۲ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''جو لوگ ایمان لاکر اپنے ایمان کو شرک سے خلط ملط نہیں کرتے ان ہی لوگوں کے لئے امن ہے اور حقیقتاً راہ یافتہ وہی لوگ ہیں۔''

قرآن کریم کے چوبیسویں پارہ میں سورۃ زمر کے ساتویں رکوع کے اندر آیت نمبر ۶۵ میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ سے ارشاد فرماتا ہے۔

''یقیناً تیری طرف بھی تجھ سے پہلے کے تمام نبیوں کی طرف بھی وحی کی گئی ہے۔ اگر تو نے شرک کیا تو بلاشبہ تیرا عمل ضائع ہوجائیگا اور تو زیاں کاروں (خسارے میں پڑ جانے والوں) میں ہوجائے گا۔''

اے محمد ﷺ تیری طرف اور تجھ سے پہلے انبیاء کی طرف ہم یہ حکم بھیج چکے ہیں کہ

اگر بالفرض تو اے محمد ﷺ یا تجھ سے پہلے انبیاء فرضاً شرک کریں تو ان کے نیک کام اکارت (ضائع) ہوجائیں اور بڑی بربادی میں پڑجائیں ...... یہ کلام جلالی اور شہنشاہی رعب کے قاعدے پر ہے۔ حضرت رسول خدا ﷺ اور اگلے انبیاء سے شرک کا سرزد ہونا محال (ناممکن) تھا۔ کیونکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام معصوم ہیں مگر مخاطب کے سنانے کو ایسا پُرزور حکم دیا ہے کہ یہ بیہودہ کام کسی کو بھی معاف نہیں۔

(تفسیر حقانی جلد نمبر:۶، صفحہ نمبر ۱۹۳)

حدیث:۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: جو شخص اس حال میں مرجائے کہ وہ اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہو تو وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔ میں نے عرض کیا کہ جو شخص اس حال میں مرے کہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ جنت میں داخل ہوگا۔

(صحیح بخاری شریف جلد اول پارہ نمبر ۵، صفحہ نمبر ۲۷۶، حدیث نمبر ۱۴۸ اجنائز کے بیان میں۔ صحیح مسلم شریف جلد نمبر ا، صفحہ ۱۲، حدیث نمبر ۴۷...... کتاب الایمان میں بھی ہے)

یاد رکھیں! اللہ رب العزت کی ذات وصفات میں کسی بھی اور مخلوق (نبی، ولی، جن فرشتہ وغیرہ) کو شریک کرنا بھی ''شرک'' کہلاتا ہے جو کہ ایک ناقابل معافی جرم ہے۔ قرآن کریم کی سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر ۷۲ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ ''مشرکین پر اللہ نے جنت کو حرام کردیا اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔''

دوسری جگہ قرآن حکیم کی سورۃ التوبۃ کی آیت نمبر ۱۱۳ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:
نبی اور مسلمانوں کے لئے اس کی گنجائش نہیں کہ وہ مشرکین کے لئے استغفار کریں اگرچہ وہ رشتہ دار ہوں۔ اس تمہید کے بعد اب ہم اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔

## نبی ﷺ نور تھے یا بشر؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں اور جن، آگ کے شعلے سے اور آدم علیہ السلام مٹی سے جیسا کہ قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔

(رواہ مسلم، مشکوٰۃ باب بدء الخلق ص/۵۰۶)

فائدہ:۔ اس حدیث سے صراحۃً ثابت ہو رہا ہے کہ ذوی العقول (عقل والی) مخلوق میں سے ایک قسم ''نوری'' جس کو فرشتے کہا جاتا ہے۔ دوسری ''ناری'' جس کو جنات کہا جاتا ہے۔ تیسری ''خاکی'' جو انسان اور بشر ہے۔

## اِن تینوں قسموں میں سے افضل کون ہے؟

## رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے پس گویا انہوں نے (آپ ﷺ کے نسب کے بارے میں کچھ طعن تشنیع کے کلمات) سنے تھے تو آپ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں سے پوچھا کہ میں کون ہوں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب دیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے (اس پر) فرمایا: کہ میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے پوری مخلوق کو پیدا کیا اور مجھے ان میں سے سب سے بہتر مخلوق (یعنی انسان) میں سے بنا دیا۔ پھر اس بہتر مخلوق (یعنی انسان) کی دو جماعتیں (یعنی عرب و عجم) بنا دیں اور مجھے ان میں سے بہتر جماعت (یعنی عرب) میں سے بنا دیا اور بہتر جماعت (یعنی عرب) کے متعدد قبیلے بنا دیئے اور مجھے سب سے بہتر قبیلے (یعنی قریش) میں سے بنا دیا، پھر اس

بہتر قبیلہ (یعنی قریش) کو مختلف خاندانوں میں تقسیم کیا اور مجھے سب سے بہتر خاندان (بنی ہاشم) میں سے بنا دیا پس میں ذاتی صفات کے اعتبار سے بھی ان سب سے بہتر ہوں اور خاندان ونسب کے اعتبار سے بھی سب سے افضل و بہتر ہوں۔

(رواہ الترمذی مشکوٰۃ ص۵۱۳)

فائدہ:۔ قارئین کرام! ذرا غور اور ٹھنڈے دل سے اس حدیث کو پڑھیئے، اس میں کس وضاحت سے آپ ﷺ نے انسان اور بشر کو تمام مخلوقات پر فضیلت دی ہے گویا اس حدیث سے ایک تو بشر کا تمام مخلوقات سے افضل ہونا صراحت سے ثابت ہوا اور دوسری بات یہ بھی ثابت ہوئی کہ آپ ﷺ انسان اور بشر ہیں۔ بلکہ بشر کے اعلیٰ وارفع طبقہ میں سے ہیں۔ اور بشر کے اس طبقہ میں ہونے پر آپ ﷺ کو فخر ہے۔

افسوس! جس مقام کو رسول ﷺ نے فخر اور فضیلت کا مقام سمجھا ہے، آج آپ ﷺ کو اس اعلیٰ وارفع مقام بشریت سے گرانے کو فخر سمجھا جا رہا ہے۔

قرآن شریف کے ساتویں پارے میں سورۃ انعام کے پانچویں رکوع کے اندر آیت نمبر ۵۰ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی زبان مبارک سے کہلوا دیا کہ آپ ﷺ صاف صاف اعلان کر دیں کہ "میں فرشتہ (نوری) نہیں ہوں" ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ "جنات میں سے کوئی نبی نہیں ہوا" (ابن کثیر پارہ نمبر ۸)

اب آپ کیا فیصلہ کرتے ہیں اگر حضور ﷺ فرشتوں میں سے نہیں تھے اور جنات میں سے کوئی نبی نہیں ہوا تو پھر حضور ﷺ انسان نہیں تھے تو آخر کیا تھے؟ کچھ ہوں گے بھی تو اہلسنت والجماعت کا یہ ایمان اور عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ انسانوں ہی میں سے تھے۔ دلیل ملاحظہ فرمائیے۔

قرآن شریف کے پندرھویں پارے میں سورۃ بنی اسرائیل کے دسویں رکوع کے اندر آیت نمبر ۹۳ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''تو جواب دے کہ میرا پروردگار پاک ہے۔ میں تو صرف ایک (انسان) یعنی بشر ہوں۔ جو رسول بنایا گیا ہوں۔ رسول سب انسانوں یعنی (بشر) ہی ہوتے ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر پارہ نمبر ۸/۱۷، سورۃ انعام رکوع ۱۶)

## فقہ حنفی

فقہ حنفی کی مشہور کتاب طحطاوی علی مراقی الفلاح کے صفحہ ۶۷۵ پر لکھا ہے۔

ترجمہ:۔ ایمان کی درستگی کی شرائط میں سے آپ ﷺ کا نام جاننا ضروری ہے کہ اس کے بغیر معرفت تام (یعنی مکمل) نہیں ہوتی اور آپ ﷺ کو اہل عرب میں سے بشر (انسان) ماننا بھی ضروری ہے۔

اگرچہ قرآن وحدیث کے دلائل اس مسئلہ پر کثیر مقدار میں ہیں مگر ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں کیونکہ راہ حق کے طالب کے لئے ایک ارشاد بھی کافی ہے اور ضدی ہٹ دھرم کے لئے ہزار دلائل بھی بے سود ہیں۔

پس قرآن واحادیث مبارکہ اور فقہ حنفی کی روشنی میں یہ ثابت ہوا کہ آپ ﷺ ذات، نوع اور جنس کے اعتبار سے انسان، آدمی اور بشر ہیں بلکہ افضل البشر (یعنی سب انسانوں سے اعلیٰ ہیں)۔ اور آپ ﷺ صفت ہدایت کے لحاظ سے ساری انسانیت کے لئے مینارہ نور ہیں۔ جس طرح نور (یعنی روشنی) سے تاریکیاں ختم ہوجاتی ہیں اسی طرح کفر، شرک اور گمراہی کی ظلمتیں آپ ﷺ کے ہدایت کے نور سے کافور ہوگئیں۔

## آپ ﷺ عالم الغیب (چھپی ہوئی باتوں کے جاننے والے) تھے یا نہیں؟

"غیب" کہتے ہیں پوشیدہ چھپی ہوئی باتوں کے جاننے کو"

علم غیب دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک ذاتی اور دوسرا عطائی، اب جو ذاتی ہے وہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو بھی نہیں ہے اور وہی ایک عالم الغیب ہے۔ سوائے اس کے اور کوئی بھی عالم الغیب نہیں ہے۔ اور جو عطائی ہے وہ اطلاع علی الغیب ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتایا ہوا علم۔ لیکن علم غیب عطائی کُلی بھی کسی کو نہیں دیا۔ بلکہ علم غیب کُلی (مکمل) اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی خاص ہے۔

کسی نبی، ولی یا فرشتے کو کوئی بھی عالم الغیب نہیں کہہ سکتا۔ حضور ﷺ کو بھی کوئی عالم الغیب نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ یہ علم آپ ﷺ کو بتایا گیا ہے، سکھایا گیا ہے۔ جس وقت جتنی ضرورت پڑی اتنا ہی اللہ پاک نے بتا دیا۔ اللہ تعالیٰ کے جو خاص بندے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ تین طرح سے بتلا دیتا ہے۔ (۱) وحی کے ذریعے (۲) الہام کے ذریعے (۳) کشف کے ذریعے۔

(۱) "وحی" اس کو کہتے جو اللہ کی طرف سے فرشتہ لے کر آئے۔

قرآن شریف کے بارہویں پارے میں سورۃ ہود کے چوتھے رکوع کے اندر آیت نمبر ۴۹ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ: "یہ خبریں غیب کی خبروں میں سے ہیں جن کی وحی ہم تیری طرف کرتے ہیں۔ انہیں اس سے پہلے نہ تو جانتا تھا اور نہ تیری قوم۔"

قصہ نوح علیہ السلام اور اسی قسم کے گذرے ہوئے واقعات وہ ہیں جو آپ ﷺ کے سامنے نہیں ہوئے لیکن بذریعہ وحی کے اللہ تعالیٰ نے ان واقعات کی خبر اپنے محبوب ﷺ کی دی اور پھر آپ ﷺ لوگوں کے سامنے یہ واقعات اس طرح بیان کرتے

کہ سننے والے سمجھتے کہ گویا آپ ﷺ ان واقعات کے رونما ہونے کے وقت وہاں موجود تھے حالانکہ اس سے پہلے نہ تو آپ ﷺ کو ان باتوں کی خبر تھی اور نہ آپ کی قوم میں سے کوئی جانتا تھا۔

(۲) ''الہام'' اس کو کہتے ہیں۔ کہ خدا کی طرف سے کسی نیک بندے کے دل میں کوئی خیر کی بات ڈال دی جائے جس سے اس کو فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔

(۳) ''کشف'' کہتے ہیں، پردہ اُٹھا دینے کو۔ جب کسی نبی یا ولی کو کوئی بات معلوم کرانی ہو یا کچھ دکھانا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے دل اور آنکھوں کے سامنے سے پردہ ہٹا لیتا ہے تو وہ ساری چیزیں اس کو نظر آنے لگتی ہیں جتنی اللہ تعالیٰ اس کو بتلانا چاہتا ہے۔ مثلاً ہم کراچی میں ہیں اور اللہ تعالیٰ ہم کو کوئٹہ دکھانا چاہے تو کراچی اور کوئٹہ کے درمیان جتنی بھی چیزیں ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیچ سے ہٹ جائیں گی اور کوئٹہ ایسا نظر آئے گا گویا ہمارے سامنے موجود ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے قریش نے جھٹلایا (اور کہا کہ آپ کا معراج کا دعویٰ صحیح نہیں ہے اور اگر صحیح ہے تو معراج کے حالات بتلا دو) تو میں حجرے میں کھڑا ہو گیا (خانہ کعبہ کے پاس ایک آدھے دائرے کے نیچے دیوار ہے، اُسے حطیم یا حجرہ کہتے ہیں وہاں پر حضور ﷺ کھڑے ہو گئے)۔ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس میرے سامنے ظاہر کر دیا۔ میں بیت المقدس دیکھ کر اس کی نشانیاں بتانے لگا اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا میں بیت المقدس کو دیکھ رہا ہوں۔

(ترمذی شریف جلد دوم ص ۲۰۴، حدیث نمبر ۹۹۱، سورۃ بنی اسرائیل کی تفسیر میں)

اب وحی کا جو معاملہ تھا وہ تو ہمارے سرور کائنات ﷺ کی وفات سے ختم ہو گیا۔ رہیں یہ دو باتیں کشف اور الہام۔ تو ان کے ذریعے آج بھی اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کو جو باتیں بتلانا چاہتا ہے وہ بتلا دیتا ہے۔ مگر عالم الغیب تو سوائے اللہ عزوجل کے کوئی بھی نہیں۔

قرآن شریف کے بیسویں (۲۰) پارے میں سورۃ نمل کے پانچویں رکوع کے اندر آیت ۶۵ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ "آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں موجود ہے کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا سوائے خدا کے اور ان کو خبر نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے۔"

"سنو! خدائی فیصلہ ہو چکا ہے کہ آسمان اور زمین کی تمام مخلوقات غیب سے بے خبر ہے۔" (تفسیر ابن کثیر پارہ نمبر ۲۰، ص ر ۷)

حدیث:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جو کوئی تم میں سے کہے کہ نبی کریم ﷺ علم غیب جانتے تھے تو وہ جھوٹا ہے (یہ کہہ کر اسی آیت کی تلاوت کی جو اوپر لکھی ہے یعنی سورۃ نمل کی آیت نمبر ۶۵)

(بخاری ثانی ص ر ۱۰۹۸، فتح الباری ج ر ۱۳، ص ر ۴۴۲، حدیث نمبر ۷۳۸۰، ترمذی شریف ج ر ۲، ص ر ۱۸۴، حدیث ۹۲۶، سورۃ انعام کی تفسیر کے باب میں بھی ہے)

سورۃ انعام کے پانچویں رکوع کے اندر آیت نمبر ۵۰ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ کہ "اے نبی ﷺ فرما دیجیے کہ" اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں تمام غیب کی باتوں کو جانتا ہوں۔"

میرے عزیز دوست! علم غیب کی یہی حالت ہے جتنا اللہ تعالیٰ بتلانا چاہتا ہے، وہ

بتلا دیتا ہے اس کو کہتے ہیں اطلاع علی الغیب۔ مگر عالم الغیب خدا کے سوا اور کوئی بھی نہیں ہے۔

صحیح بخاری میں موجود ہے کہ شروع میں قبیلہ رعل، زکوان اور بنولحیان کے کچھ لوگ (ایک سازش کے تحت) نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے اور یہ ظاہر کیا کہ وہ مسلمان ہو چکے ہیں۔ آپ ﷺ ہمیں امداد کے لئے کچھ آدمی مرحمت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے ان کی باتوں پر اعتماد فرمایا اور انہیں مخلص مومن سمجھ کر انصار میں سے ستر ۷۰ آدمی ان کی مدد کے لئے ان کے ہمراہ روانہ فرما دیئے جو سارے کے سارے قرآن کے قاری اور نہایت ہی متقی تھے۔ چنانچہ جب وہ منافقین، صحابہ کی اس جماعت کو ساتھ لے کر بیر معونہ میں پہنچے تو ان سے دھوکہ کیا اور سب کو شہید کر ڈالا۔ ان میں سے صرف ایک صحابی کعب بن یزید اور ایک آدمی کی جان بچی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے نبی اکرم ﷺ کو اطلاع دی کہ وہ اپنے رب سے مل چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان قاریوں کے قتل پر آپ ﷺ کو اتنا صدمہ اور رنج ہوا کہ اتنا کبھی نہیں ہوا۔ ان کے قتل کے بعد ان ظالموں کے لئے آپ ﷺ پورا ایک ماہ بددعا کرتے رہے اور آپ ﷺ نے فجر کی نماز میں دوسری رکعت کے رکوع کے بعد ایک ماہ تک قنوت نازلہ پڑھی۔

(صحیح بخاری ص/۵۸۶، ج/۲)

فائدہ:۔ اگر آپ ﷺ عالم الغیب اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے تو ان منصوبہ بنانے والے کی سازش میں نہ آتے اور نہ ہی جلیل القدر صحابہ کو ان درندوں کے حوالے کرتے۔

یہاں ہم فقط اسی ایک واقعہ پر اکتفا کرتے ہیں ورنہ بہت سے ایسے واقعات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ عالم الغیب نہیں تھے۔

## پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

ترجمہ:۔ جو شخص یہ اعتقاد (عقیدہ) رکھے کہ حضرت محمد ﷺ غیب جانتے تھے تو وہ کافر ہے کیونکہ علم غیب ایک ایسی صفت ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص (مخصوص) ہے۔ (مراۃ الحقیقت ص/۱۸)

## فقہ حنفی

اور فقہ حنفی کی مشہور کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ ''جس شخص نے کسی عورت سے بغیر گواہوں کے نکاح کیا اور یہ کہا کہ ہم خدا اور رسول ﷺ کو گواہ بناتے ہیں تو وہ کافر ہو جائے گا۔ (فتاویٰ عالمگیریہ ص/۲۶۶، ج ۲)

اور اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ اس شخص نے رسول اللہ ﷺ کو ''عالم الغیب'' سمجھا اور ایسا عقیدہ رکھنا کفر ہے۔

(فتاویٰ قاضی خان برحاشیہ عالمگیریہ ص/۳۳۴، ج/۱۔ البحر الرائق ص/۸۸، ج/۳)

## آپ ﷺ ہر جگہ حاضر ناظر ہیں یا نہیں؟

اس نکتہ پر غور کرنے کے لئے سب سے پہلے ''حاضر و ناظر'' کا مطلب سمجھ لینا ضروری ہے، یہ دونوں عربی کے لفظ ہیں جن کے معنیٰ ہیں۔ ''موجود اور دیکھنے والا''۔ اور جب ان دونوں کو استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے مراد ہوتی ہے۔ ''وہ شخصیت جس کا وجود کسی خاص جگہ میں نہیں بلکہ اس کا وجود بیک وقت ساری کائنات کو محیط ہے اور کائنات کی ایک ایک چیز کے تمام حالات اول سے آخر تک اس کی نظر میں ہیں۔''
اہلسنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ ''حاضر ناظر'' کا یہ مفہوم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات

مبارک پر صادق آتا ہے اور یہ صرف اسی کی شان ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ آپ ﷺ روضہ اطہر میں استراحت فرما ہیں۔ (آرام کر رہے ہیں) اور دنیا بھر کے مشتاقان زیارت وہاں جاکر حاضری دیتے ہیں۔ اس لئے آنحضرت ﷺ کے بارے میں یہ عقیدہ کہ آپ ﷺ ہر جگہ موجود ہیں اور کائنات کی ایک ایک چیز آپ ﷺ کی نظر میں ہے یہ عقیدہ بداہت عقل کے اعتبار سے بھی صحیح نہیں۔ چہ جائیکہ یہ شرعاً درست ہو۔

یہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس کو کسی دوسری شخصیت کے لئے ثابت کرنا غلط ہے۔ ''یا'' حرف ندا ہے یعنی کسی حاضر اور موجود شخص کے نام سے پہلے ''یا'' لگانا جائز ہے۔ مثلاً آپ کا دوست معاویہ آپ کے پاس ہے اس کو پکارتے وقت ''یا معاویہ'' کہیں گے لیکن اگر کوئی شخص اس نیت سے یا رسول اللہ ﷺ کہتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ہر شخص کی ہر جگہ سنتے ہیں اسی طرح رسول اللہ ﷺ بھی حاضر ناظر ہیں اور ہر شخص کی ہر جگہ سنتے ہیں یہ عقیدہ غلط ہے قرآن کریم حدیث نبوی ﷺ اور فقہ حنفی میں اس کی کوئی گنجائش نہیں قرآن کریم میں ہے۔

''وهو بكل شئ محيط'' [الاية] ترجمہ:۔ اور وہی ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔

فائدہ:۔ ہر چیز پر محیط ہونا (یعنی ہر چیز کا احاطہ کرنا یا گھیرنا) اس ذات کے لئے زیبا ہے جو ہر جگہ بے مثل طور پر موجود ہے، اسی کا علم مکمل ہوگا اور اسی کی شان ہی اکمل ہوگی اور ظاہر ہے کہ ہر جگہ حاضر ناظر ہونے کے لئے محیط ہونا ضروری ہے اور چونکہ محیط ہونا اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے پس صفت حاضر ناظر بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔

قرآن پاک میں سورۃ المجادلۃ کی آیت نمبر ۷ کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ ''کیا تو

نہیں دیکھتا بلاشبہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، نہیں ہوتے تین سرگوشیاں کرنے والے مگر اللہ تعالیٰ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہیں سرگوشیاں کرتے پانچ مگر چھٹا ان کا اللہ تعالیٰ ہوتا ہے اور نہیں ہوتے اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ مگر اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہوتے ہیں جہاں وہ ہوتے ہیں، اس کے بعد قیامت کے دن ان کو ان کے عملوں کی خبر دے گا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب چیزوں کو جاننے والا ہے۔

طرز استدلال:۔ تین افراد سرگوشیاں کرنے والوں میں چوتھا اللہ تعالیٰ کا موجود ہونا اور پانچ افراد میں چھٹا رب قدوس کا ہونا نیز اس کی معیت لازمہ (ساتھ ہونا) اس کے حاضر ہونے پر اور قیامت کے دن مخلوق کے ہر عمل کی خبر دینا اس کے ناظر ہونے پر صراحۃً دلالت کرتے ہیں۔

## مسئلہ حاضر ناظر فقہ حنفی کی روشنی میں

فقہ حنفی کی مشہور و مستند کتاب فتاویٰ عالمگیریہ ص ر ۴۱۲، ج ر ۲ میں یہ مسئلہ لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ''ایک جوان نے عورت سے نکاح کیا لیکن گواہ حاضر نہیں ہوئے تو اس نے کہا کہ میں نے خدا اور رسول ﷺ کو گواہ بنالیا ہے یا کہا کہ خدا اور فرشتوں کو گواہ کیا ہے تو کافر ہو جائیگا اور اگر کہے دائیں بائیں طرف کے فرشتوں کو گواہ بنایا ہے تو کافر نہیں ہوگا۔

فائدہ:۔ قارئین کرام! اگر اس کو توجہ سے پڑھیں تو اس نتیجے پر پہنچنا کچھ مشکل نہیں کہ یہاں کفر کے فتوے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے آپ ﷺ یا فرشتوں کے عالم الغیب اور ہر جگہ حاضر ناضر ہونے کا عقیدہ رکھا ہے، ہاں اگر دائیں بائیں رہنے والے فرشتوں کو گواہ بنا دے تو کافر نہ ہوگا کیونکہ وہ ہر وقت اس کے پاس رہتے ہیں مگر اتنا یاد

رہے کہ نکاح ان دو فرشتوں کو گواہ رکھنے سے نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح فقہ حنفی کی مشہور و معتبر کتاب فتاویٰ بزازیہ میں لکھا ہے: ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ جو شخص کہے کہ بزرگوں کی روحیں حاضر ہیں اور وہ سب کچھ جانتی ہیں، ایسا شخص کافر ہے۔ (بزازیہ برحاشیہ عالمگیری ج ۲، ص ۳۲۶)

## آپ ﷺ مختار کل ہیں یا نہیں؟

(یعنی اس کائنات کے تمام اختیارات آپ ﷺ کے قبضہ میں ہیں یا نہیں؟)

بعض لوگوں نے یہ عقیدہ بھی بڑی شدّ و مد سے پیش کیا ہے کہ اس کارخانہ عالم کے متصرف و مختار آنحضرت ﷺ ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تمام اختیارات عطا کر دیئے ہیں۔ اس لئے یہ لوگ آنحضرت ﷺ کو "مختار کل" کا خطاب دیتے ہیں، لیکن قرآن کریم، احادیث نبوی ﷺ اور عقائد اہلسنت وفقہ حنفی میں اس عقیدہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کے کُل یا بعض اختیارات آنحضرت ﷺ یا کسی اور کو دیئے ہیں۔ اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ پوری کائنات کا نظام صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اور اس میں اس کا کوئی شریک و سہیم نہیں۔ موت وحیات، صحت و مرض، عطاء و بخشش سب اسی اللہ کے ہاتھ میں ہے، یہی وجہ ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام سے لیکر ہمارے آقا محمد رسول اللہ ﷺ تک سارے انبیاء، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجائیں اور دعائیں کرتے اور اسی کو ہر قسم کے نفع ونقصان کا مالک سمجھتے رہے ہیں۔ یہی حال تمام اکابر اولیاء اللہ کا ہے۔ کسی نبی، ولی، صدیق اور شہید نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اسے کائنات میں تصرف کا حق دے دیا گیا ہے۔

(بحوالہ: اختلاف امت اور صراط مستقیم)

خود آنحضرت ﷺ کا اس بارے میں جو عقیدہ تھا وہ یہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن آنحضرت ﷺ کے پیچھے سوار تھا۔ آپ ﷺ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا:۔ ''اے لڑکے! تو اللہ کے حقوق کی حفاظت کر اللہ تعالیٰ تیری حفاظت کرے گا۔ تو اللہ کے حقوق کی حفاظت کر...... تو اس کے اپنے سامنے پائے گا۔ اور جب کچھ مانگنا ہو تو اللہ تعالیٰ سے مانگ۔ اور جب مدد کی ضرورت ہو تو اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کر۔ اور یقین رکھ کہ ساری جماعت اگر تجھے کوئی نفع پہنچانے پر جمع ہو جائے تو تجھے کوئی نفع نہیں پہنچا سکتی سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے لکھ دیا ہے اور اگر ساری جماعت تجھے کوئی نقصان پہنچانے پر جمع ہو جائے تو تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے لکھ دیا ہے۔''

(مشکوٰۃ شریف ص/۴۵۳)

مشہور محدث شیخ علی القاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں ''ساری جماعت'' کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ ''بے شک ساری اُمت'' یعنی تمام مخلوق، خاص و عام انبیاء و اولیاء اور ساری امت بالفرض اس بات پر متفق ہو جائیں کہ دنیا یا آخرت کے کسی معاملے میں تجھے کسی چیز کا نفع پہنچائیں تو تجھے نفع پہنچانے پر قادر نہیں۔'' (مرقاۃ المفاتیح ص/۹۱، ج/۵)

حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ''الفتح الربانی'' کی مجلس نمبر ۶۱ میں فرماتے ہیں۔

ترجمہ:۔ بے شک مخلوق عاجز اور عدم محض ہے، نہ ہلاکت ان کے ہاتھ میں ہے اور نہ ملک۔ نہ مالداری ان کے قبضہ میں ہے نہ فقر، نہ نقصان ان کے ہاتھ میں ہے اور

نہ نفع۔ نہ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کے پاس کوئی ملک ہے اور نہ اس کے سوا کوئی قادر ہے نہ اس کے سوا کوئی دینے والا ہے نہ روکنے والا نہ کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع دے سکتا ہے نہ اس (اللہ) کے سوا کوئی زندگی دینے والا ہے نہ موت۔"

یہی عقیدہ تمام اولیاء اللہ کا اور تمام اکابر اہلسنت کا ہے۔ اور حق تعالیٰ شانہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ہاتھ پر بطور معجزہ کے اور اولیاء اللہ کے ہاتھ پر بطور کرامت جو چیزیں ظاہر فرماتے ہیں وہ براہ راست حق تعالیٰ کا فعل ہے اسی بناء پر اس کو معجزہ اور کرامت کہا جاتا ہے۔ معجزہ اور کرامت کو دیکھ کر ان کو خدائی میں شریک اور کائنات کا مالک ومختار سمجھ لینا حماقت ہے۔

قرآن شریف کے تیرھویں پارے میں سورۃ ابراہیم کے دوسرے رکوع کے اندر آیت نمبر ۱۱ میں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ سے ارشاد فرماتا ہے۔ کہ کہہ دیجئے۔ "بے حکم خدا ہماری مجال نہیں کہ ہم کوئی معجزہ تمہیں لا دکھلائیں۔"

حضور ﷺ سے لوگ بار بار معجزہ طلب کرتے ہیں اس کے جواب میں فرمایا جاتا ہے کہ جو چیز تم ہمارے ہاتھوں دیکھنا چاہتے ہو اس کے متعلق بھی سن لو کہ وہ ہمارے بس کی بات نہیں ہاں ہم اللہ تعالیٰ سے طلب کریں گے اگر ہماری دعا قبول ہوئی تو بے شک ہم دکھا دیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر پارہ ۱۳، ص ۵۹)

یہ خیال رہے کہ بعض اولیاء اللہ کے ہاتھوں جو کرامتیں ظاہر ہو جاتی ہیں اور کبھی کبھی چیزیں تبدیل ہو جاتی ہیں ان کا ہمیں انکار نہیں وہ خدا کی طرف سے ان پر ایک خاص فضل ہوتا ہے اور وہ بھی ان کے بس کا نہیں ہوتا نہ ان کے قبضہ کا ہوتا ہے، نہ وہ کاریگری ہوتی ہے نہ علم۔ وہ محض خدا کے فرمان کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فرمانبردار

اور نیکوکار بندوں کے ہاتھوں اپنی مخلوق کو دکھا دیتا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر پارہ نمبر ۲۰، ص ر ۴۳، سورۃ قصص کے آٹھویں رکوع کی تفسیر میں)

قرآن پاک کے گیارھویں پارے میں سورہ یونس کے پانچویں رکوع کے اندر آیت نمبر ۴۹ میں اللہ تعالیٰ نبی ﷺ سے ارشاد فرماتا ہے "تو کہہ دے میں تو اپنی جان کے نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے۔

قرآن شریف میں دوسری جگہ انتیسویں ۲۹ پارے میں سورہ جن کے دوسرے رکوع کے اندر آیت نمبر ۲۱ میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ سے ارشاد فرماتا ہے۔" کہہ دے کہ مجھے تمہارے کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں ہے۔"

پس آیات قرآنی سے صاف صاف معلوم ہو گیا کہ جب حضور ﷺ نفع اور نقصان میں کچھ اختیار نہیں رکھتے تو پھر، قطب، ابدال اور اولیاء کی کیا حقیقت کہ وہ ہمارے یا اپنے نفع، نقصان کا اختیار رکھتے ہوں۔ لہٰذا کسی بھی مخلوق (نبی، فرشتہ، جن اور انسان) کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ یہ مخلوق نفع یا نقصان پہنچانے کی طاقت رکھتی ہے، یہ عقیدہ خدائی صفات میں مخلوق کو شریک کرنے کی وجہ سے شرک ہے اور نا قابل معافی جرم ہے۔

قرآن پاک کی بہت سی آیات اور احادیث مبارکہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مختار کل صرف ایک اکیلے اللہ کی ذات ہے۔ مگر ہم اختصار کے پیش نظر انہیں پر اکتفاء کرتے ہیں کہ سمجھدار کے لئے اتنا بھی کافی ہے۔

## مدد کس سے مانگیں؟

اللہ تعالیٰ اپنے کلام مجید کے اندر سورہ فاتحہ یعنی الحمد شریف میں ارشاد فرماتا ہے کہ میرے بندو! یوں کہو " ایاک نعبد وایاک نستعین" ترجمہ:۔ ہم تیری ہی عبادت

کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ کامل اطاعت اور پورے دین کا حاصل یہی دو باتیں ہیں۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خداوند تبارک وتعالیٰ کا حکم ہے کہ تم سب اسی کی خالص عبادت کرو اور اپنے تمام کاموں میں اس سے مدد مانگو۔

(تفسیر ابن کثیر پارہ اول ص ۳۴)

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ ایک جنگ میں تھے۔ آپ ﷺ کے سامنے دشمن آگیا، پس میں نے آپ ﷺ سے سنا، فرمار ہے تھے، اے مالک یوم الدین ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور خاص تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ پس میں نے لوگوں کو دیکھا کہ بھاگ رہے تھے اور فرشتے ان کو آگے پیچھے سے مار رہے تھے۔

فائدہ:۔ دشمن کے مقابلے میں آپ ﷺ نے بھی اللہ تعالیٰ کو مدد کے لئے پکارا مگر آج کل کا نام نہاد عاشق رسول ﷺ اوروں کو پکارنے پر زور دے رہا ہے۔

قرآن پاک میں سورۃ نحل رکوع نمبر ۲ کی آیت نمبر ۲۰،۲۱ میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ترجمہ:۔ ''اور جن کو وہ خدا کے بغیر پکارتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے وہ خود مخلوق ہیں، مُردے (اور فانی) ہیں۔ زندہ جاوید نہیں اور ان کو پتہ نہیں کہ کب ان کو (قیامت میں) اٹھایا جائیگا۔''

قرآن شریف کے چوتھے پارے میں سورۃ آل عمران کے سترھویں رکوع کے اندر آیت نمبر ۱۲۰ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

ترجمہ: ''اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تم کو چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے؟'' قرآن شریف کے گیارھویں پارے میں سورۃ توبہ کے چودھویں رکوع کے اندر آیت نمبر ۱۱۶ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

ترجمہ:۔ ’’اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی، وہی جلاتا ہے او مارتا ہے اور خدا کے سوا تمہارا کوئی بھی دوست اور مددگار نہیں ہے۔‘‘

اب آپ ہی فیصلہ کرلیں کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر......یا رسول اللہ مدد......یا علی مدد......یا غوث الاعظم مدد کہنا جائز ہے؟

شیعوں نے ’’نعرہ حیدری یا علی‘‘ اور ’’نعرہ غوثیہ یا غوث‘‘ ایجاد کرلیا مگر مجھے رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ائمہ ہدیٰ کی زندگی میں کہیں نظر نہیں آیا کہ ’’اللہ اکبر‘‘ کے سوا مسلمانوں نے کسی اور نام کا نعرہ لگایا ہو، نہ قرآن کریم، حدیث نبوی اور فقہ حنفی یا کسی اور فقہ میں اس کا ذکر ہے۔ اس لئے میں اسے شیعوں کی تقلید سمجھتا ہوں۔ جس سے اہلسنت والجماعت بالکل بری ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ مخلوق سے (مافوق الاسباب) مدد مانگنا بلاشبہ شرک ہے۔

اب رہا اشکال کہ کیا اپنے گھریلو کام کاج کے لئے بیوی اور بچوں کو پکارنا، ان سے اور اپنے دیگر دوستوں سے مختلف کاموں میں مدد لینا بھی شرک ہے؟ جس کا جواب یہ ہے کہ ’’یہ شرک نہیں‘‘ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے نظام کو اسباب کے ساتھ جوڑا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’وتعاونوا علی البر والتقوی‘‘۔ ترجمہ:۔ ’’نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔‘‘

(سورۃ المائدہ آیت نمبر:۲)

اب یہاں پر اللہ تعالیٰ نے جو آپس میں نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون اور مدد کا جو حکم دیا ہے وہ اسی ماتحت الاسباب کی قسم میں سے ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں (وفادار۔ دوستوں) سے فرمایا تھا۔

ترجمہ:۔کوئی اللہ کے دین کے لئے میری مدد کرے گا؟

(پارہ نمبر ۲۸،سورۃ الصف کی آخری آیت)

اب یہاں بھی ماتحت الاسباب مدد ہے۔یعنی اگر کوئی شخص سامنے موجود ہے، آپ اس کو پکار رہے ہیں۔اس سے کسی کام میں تعاون طلب کرر ہے ہیں تو یہ ''ماتحت الاسباب'' پکار کہلاتی ہے۔جو کہ جائز اور درست ہے۔

اور اگر کوئی ذات سامنے موجود نہیں،آپ سے غائب کوسوں میل دور ہے۔اور آپ اس نیت سے اس کو پکار رہے ہیں کہ وہ ذات میری آواز سن لے گی اور میری تکلیف دور کردے گی۔یہ ''مافوق الاسباب'' پکار ہوئی۔''یعنی ظاہری سبب سے ہٹ کر'' اور یہی پکار ''شرک'' ہے۔



## توسل اور دعا

یہ اہم نزاعی مسئلہ ہے کہ آیا آنحضرت ﷺ اور بزرگان دین کا توسل (وسیلہ پکڑنا) جائز ہے یا نہیں؟

اہلسنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ،انبیاء کرام علیہم السلام،صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دیگر اللہ کے نیک بندوں کے طفیل یا کسی عمل کا حوالہ دے کر اس کو وسیلہ بنا کر دعا مانگنا جائز ہے جس کی صورت یہ ہے کہ اے اللہ !اپنے ان نیک بندوں کے طفیل میری یہ دعا قبول فرما...... یا میری فلاں مراد پوری فرمادے۔یا میرے فلاں نیک عمل کے طفیل (وسیلے سے) میری فلاں مراد پوری فرمادے اور میری دعا قبول فرمالے مگر یہ عقیدہ نہ رکھا جائے کہ توسل (وسیلہ) کے بغیر دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو سنتے نہیں اور نہ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ انبیاء اور اولیاء کے وسیلے سے جو دعا کی جائے اس کا

ماننا اللہ تعالیٰ کے ذمہ لازم ہو جاتا ہے۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ ان مقبولان الٰہی کے وسیلے اور طفیل سے جو دعا کی جائے گی اس کی قبولیت کی زیادہ امید ہے۔

بعض لوگ وسیلے کا یہ مطلب سمجھتے ہیں چونکہ ہم لوگوں کی رسائی (پہنچ) خدا تعالیٰ کے دربار تک نہیں ہو سکتی اس لئے ہمیں جو درخواست کرنی ہو اس کے مقبول بندوں کے سامنے پیش کریں اور جو کچھ مانگنا ہو ان سے مانگیں۔ چنانچہ یہ لوگ اپنی مرادیں اولیاء اللہ سے مانگتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ یہ اکابر، اللہ تعالیٰ کی عطا سے ان کی مرادیں پوری کرنے پر قادر ہیں۔ خواجہ بہاء الحق زکریا ملتانی رحمہ اللہ تعالیٰ، خواجہ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ (المعروف بہ داتا گنج بخش)، سلطان الہند خواجہ نظام الدین اولیاء اور دیگر اکابر اولیاء اللہ (قدس اللہ اسرارہم) کے مزارات پر لوگوں کو ان بزرگوں سے دعائیں مانگتے دیکھا گیا ہے۔ یہ فعل خالص جہالت ہے، بلکہ شرک ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کو دنیا کے بادشاہوں پر قیاس کرنا سراسر غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ دنیا کے سارے انسانوں، فرشتوں، جنات اور حیوانات میں سے ایک ایک کی آواز کو وہ اس طرح سنتے ہیں کہ گویا باقی ساری کائنات خاموش ہے اور صرف وہی ایک گفتگو کر رہا ہے۔ (بحوالہ: اختلاف اُمت اور صراط مستقیم)

(تفصیل کے لئے پالن حقانی صاحب کی کتاب شریعت یا جہالت دیکھیں)

## سنت اور بدعت

سنت اور بدعت باہم متقابل ہیں۔ جب کہا جائے کہ فلاں چیز سنت ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ "بدعت" نہیں اور جب کہا جائے کہ یہ چیز "بدعت" ہے تو اس کے دوسرے معنی یہ ہوتے ہیں کہ یہ چیز سنت نہیں ہے۔

سنت "طریقہ" کو کہتے ہیں۔ پس عقائد، اعمال، اخلاق، معاملات اور عادات میں آنحضرت ﷺ نے جو طریقہ اپنایا وہ "سنت" ہے اور اس کے خلاف بدعت ہے۔

آنحضرت ﷺ نے اپنی سنت کے ساتھ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت کو لازم پکڑنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے جو زندہ رہے گا وہ بہت اختلاف دیکھے گا۔

پس نئی باتوں سے بچتے رہنا کیونکہ یہ گمراہی ہے تو تم میں سے جو شخص یہ زمانہ پائے تو میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ مہدی خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سنتوں کو مضبوط پکڑ لینا چاہئے۔ اے لوگو! اس سنت کو دانتوں سے مضبوط پکڑ لو (مختصر)۔

(ترمذی شریف ج ۲/ص ۱۰۸/حدیث نمبر ۵۳۵، ابواب العلم)

اس لئے خلفائے راشدین کی سنت بھی سنت نبویہ کا حکم رکھتی ہے۔ قرآن کریم نے جماعت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو "المومنین" اور "خیرِ امت" کا خطاب دے کر ان کے راستے پر چلنے کا حکم دیا ہے اور جو شخص ان کے راستے سے ہٹ جائے اسے گمراہ قرار دے کر اس کو جہنم میں جھونکنے کی وعید سنائی ہے۔ الغرض کسی چیز پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تعامل (عمل) اس کے سنت ہونے کی دلیل ہے اور چونکہ آنحضرت ﷺ نے تین زمانے کے لوگوں کو خیر القرون (بہترین زمانے) کے لوگ فرمایا ہے یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، ان کے شاگرد اور پھر ان کے شاگرد (ان کو تابعین اور تبع تابعین کہا جاتا ہے) اس لئے ان تینوں زمانوں میں بغیر کسی روک ٹوک کے جس چیز پر مسلمانوں کا عمل درآمد رہا وہ سنت کے دائرے میں آتی ہے۔

سنت کی تشریح سے "بدعت" کی حقیقت خود بخود معلوم ہو جاتی ہے یعنی جو چیز

آنحضرت ﷺ، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین اور تبع تابعین، فقہائے امت کے اجتہاد وقیاس اور اجماع امت سے ثابت نہ ہو اس کو دین کی بات سمجھ کر کرنا "بدعت" کہلاتا ہے۔

لفظ بدعت، بدع سے نکلا ہے اور بدع کے معنی نئی چیز ایجاد کرنے کے ہیں لیکن شریعت کی اصطلاح میں ہر نئی چیز کو بدعت نہیں کہتے۔ بلکہ بدعت کے معنی یہ ہیں کہ دین میں کوئی نیا طریقہ نکالنا۔

ہاں اگر کوئی چیز دین کا حصہ نہیں ہے، بلکہ کسی نے اپنے آرام اور استعمال کے لئے کوئی نئی چیز اختیار کرلی۔ مثلاً ہوا حاصل کرنے کے لئے پنکھا بنالیا، روشنی حاصل کرنے کے لئے بجلی استعمال کرلی، سفر کرنے کے لئے کار استعمال کرلی۔ یہ کوئی بدعت نہیں۔ کیونکہ دنیا کے کاموں میں اللہ تعالیٰ نے کھلی چھوٹ دے رکھی ہے کہ مباحات (جائز کاموں) کے دائرے میں رہتے ہوئے جو چاہے کرو۔ لیکن دین کا حصہ بنا کر یا کسی غیر مستحب کو مستحب قرار دے کر یا کسی غیر سنت کو سنت کہہ کر یا کسی غیر واجب کو واجب کہہ کر جب کوئی چیز ایجاد کی جائے تو بدعت ہوگی، حرام ہوگی۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بدعت سے انتہاء درجہ کا پرہیز کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ ایک مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے تشریف لے گئے۔ اذان ہوگئی، ابھی جماعت نہیں کھڑی ہوئی تھی کہ مسجد کے مؤذن نے لوگوں کو جمع کرنے کے لئے آواز دے دی کہ "الصلاۃ جامعۃ" کہ نماز کھڑی ہورہی ہے، آجاؤ اور ایک مرتبہ شاید "حی علی الصلاۃ" بھی دوبارہ کہہ دیا تاکہ جو لوگ نہیں آئے ہیں وہ جلدی سے آجائیں، جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ سنے تو فوراً

اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ " اخرج بنا من عند هذا المبتدع".

(سنن ترمذی، ابواب الصلوٰۃ، باب ماجاء فی التثویب فی الفجر، حدیث نمبر ۱۹۸)

مجھے اس بدعتی کے پاس سے نکالو، اس لئے کہ یہ شخص بدعت کر رہا ہے، اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے جو اذان کا طریقہ بتایا تھا وہ تو ایک مرتبہ ہوتی ہے اور وہ ہو چکی، دوبارہ اعلان کرنا یہ حضور ﷺ کا طریقہ نہیں ہے، یہ بدعت ہے۔ لہٰذا مجھے اس مسجد سے نکالو، میں جا رہا ہوں۔

یا مثلاً نماز ختم ہونے کے بعد احادیث طیبہ میں مختلف اوراد واذکار اور دعاؤں کا حکم فرمایا گیا ہے مگر آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یہ ذکر اور دعا با آواز بلند نہیں کیا کرتے تھے، بلکہ ہر شخص اپنے منہ میں پڑھا کرتا تھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کو ان اذکار اور دعاؤں میں یہی کیفیت مطلوب ہے اور امت کو اسی کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے برعکس بعض مساجد میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ لوگ سرُ میں سرُ ملا کر اونچی آواز سے کلمہ شریف کا ورد کرتے ہیں۔ یہ نبی ﷺ کے طریقے اور مطلوب شرعی کے خلاف ہونے کی وجہ سے بدعت ہے۔

یا مثلاً شریعت کا یہ حکم ہے کہ جو عبادت اجتماعی طور پر ادا کی گئی ہے اس کے بعد تو دعا اجتماعی طور پر کی جائے مگر جو عبادت الگ الگ کی گئی ہو اس کے بعد دعا بھی انفرادی طور پر (اکیلے اکیلے) ہونی چاہیے، چنانچہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ وتابعین سے یہ منقول نہیں ہے کہ وہ سنتوں اور نفلوں کے بعد اجتماعی دعا کرتے ہوں۔ اس لئے ہمارے یہاں جو رواج ہے کہ لوگ سنتیں نفل پڑھنے کے بعد امام کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں۔ اور سنتوں اور نفلیں پڑھنے کے بعد امام دعا کرتا ہے اور لوگ اس پر آمین

آمین کہتے ہیں یہ صحیح نہیں۔ اگر اتفاقاً کسی بزرگ کی دعا میں شریک ہونے کے لئے ایسا ہو جائے تو مضائقہ نہیں مگر اس کی عادت بنا لینا بدعت ہے یا مثلاً نماز کے علاوہ شریعت نے ذکر و تسبیح اور درود شریف وغیرہ اجتماعی طور پر پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ ہر شخص کو الگ الگ جو پڑھنا ہو پڑھے اب ان اذکار کو اجتماعی طور پر ملکر پڑھنا بدعت ہوگا۔ فقہ حنفی کی مشہور و مستند فتاویٰ عالمگیری میں ''محیط'' سے نقل کیا ہے۔

ترجمہ:۔ سورۃ الکافرون سے آخر تک مجمع کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ یہ ''بدعت'' ہے۔ صحابہ و تابعین سے منقول نہیں۔ (ص/۲۱۷)

فقہ حنفی کے مشہور فتاویٰ بزازیہ میں فتاویٰ قاضی خان کے حوالے سے نقل کیا ہے'' بلند آواز سے ذکر کرنا حرام ہے'' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح منقول ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے سنا کہ کچھ لوگ مسجد میں جمع ہو کر بلند آواز سے کلمہ طیبہ اور درود شریف کا ورد کر رہے ہیں، آپ رضی اللہ عنہ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ چیز نہیں دیکھی۔ میرا خیال ہے کہ تم بدعت کر رہے ہو۔ آپ رضی اللہ عنہ بار بار یہی بات کہتے رہے، یہاں تک کہ انہیں مسجد سے نکال دیا۔

(بزازیہ حاشیہ فتاویٰ عالمگیری ص/۳۷۸، ج ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ آج کل مسجدوں میں زور زور سے کلمہ طیبہ پڑھنے اور گا گا کر درود سلام پڑھنے کا جو بعض لوگوں نے رواج نکالا یہ بدعت ہے۔ اور اس سے مساجد کو پاک کرنا لازم ہے۔ ہاں اگر کوئی نیک متبع سنت شیخ (پیر صاحب) کسی خاص فائدے اور غرض کے لئے اپنے متعلقین و مریدین کے ساتھ مل کر اجتماعی طور پر ذکر بالجہر (بلند آواز) سے کرے یا کسی ایک شخص کے لئے ذکر بالجہر تجویز کرے تو البتہ اس میں کوئی

مضائقہ نہ ہوگا لیکن مندرجہ ذیل شرائط کا لحاظ رکھنا پھر بھی ضروری ہوگا اور وہ یہ کہ ذکر بالجہر کسی کی عبادت مثلاً نماز، نفل، تلاوت وغیرہ میں خلل کا باعث نہ بنے۔ (نیز یہ ذکر بالجہر زیادہ بلند آواز سے بھی نہ ہو نیز ریا کا اندیشہ نہ ہو اپنی طرف سے غیر شرعی اُمور کا اضافہ نہ کرے کسی کے آرام میں خلل کا سبب نہ بنے اور وہ اس کو لازم (فرض، واجب وغیرہ کے درجہ میں) نہ سمجھے۔ تفصیل رسالہ سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر از شیخ عبدالحئ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ میں دیکھ سکتے ہیں۔

پس جو لوگ بدعات ایجاد کرتے ہیں وہ دراصل دین اسلام کے چہرے کو مسخ کرتے ہیں اور اس میں تحریف اور تغیر و تبدّل (تبدیلی) کا راستہ کھولتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے بدعت کی جتنی مذمت فرمائی ہے۔ شاید کفر و شرک کے بعد کسی اور چیز کی اتنی برائی نہیں بیان فرمائی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص اس امر (یعنی دین) میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو اس میں نہیں ہے وہ مردود ہے۔

(صحیح مسلم شریف ج ۲، ص ۳۵، حدیث نمبر ۱۸۱ اقضیہ کے بیان میں)

حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص یہاں نئی بات (یعنی بدعت) کرے یا کسی نئی بات (بدعت) کرنے والے کو جگہ دے اس پر خدا کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت، نہ اس سے کوئی نفل عبادت قبول کی جائے گی نہ فرض (مختصر)

(صحیح بخاری شریف ج ۲، پارہ نمبر ۱۲، ص ۱۱۵، حدیث نمبر ۴۱۳ جہاد کے بیان میں)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: بدعتی کا روزہ، نماز، حج، عمرہ، جہاد، صدقہ اور فدیہ کچھ بھی اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتا، بلکہ وہ اسلام سے ایسا

باہر ہو جاتا ہے جیسے آٹے سے بال نکال لیا جائے۔

(ابن ماجہ شریف، ص/۴۰، حدیث نمبر ۱۵ امور بدعت کے بیان)

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کسی نے صاحب بدعت (بدعت کرنے والے کی) کی تعظیم (یعنی عزت) کی اس نے اسلام کے ستون کو گرانے میں مدد دی۔

(مشکوٰۃ شریف ص/۳۱)

نبی ﷺ نے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص ''الجماعت'' سے ایک بالشت بھر (یعنی ایک ساعت بھی) بھی دور ہٹا اس نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے اتار پھینکا۔ (مشکوٰۃ: ص/۳۱)

مشہور حدیث ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ: ''ہر بدعت گمراہی ہے اور گمراہی جہنم کی طرف لے جانے والی ہے۔''

حدیث نبوی ﷺ میں ارشاد ہے کہ ''میں حوض کوثر پر تم سے پہلے موجود ہوں گا جو شخص میرے پاس آئے گا وہ اس کا پانی پیئے گا اور جو ایک بار پی لے گا پھر اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی۔ کچھ لوگ وہاں میرے پاس آئیں گے، جن کو میں پہچانتا ہوں گا۔ اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے مگر میرے اور ان کے درمیان رکاوٹ پیدا کر دی جائے گی۔ میں کہوں گا کہ یہ تو میرے آدمی ہیں۔ مجھے جواب ملے گا'' آپ ﷺ نہیں جانتے انہوں نے آپ ﷺ کے بعد کیا کیا''۔ یہ جواب سن کر میں کہوں گا۔ '' سحقا سحقا لمن غیّر بعدی'' (متفق علیہ۔ مشکوٰۃ ص/۴۸۸)

ترجمہ:۔ پھٹکار پھٹکار ان لوگوں کے لئے جنہوں نے میرے بعد میرا طریقہ بدل دیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی سنت کو چھوڑ کر دین میں نئی نئی بدعتیں ایجاد کر لی ہیں وہ قیامت کے دن آنحضرت ﷺ کے حوض کوثر سے محروم رہیں گے۔ اس سے بڑی محرومی کیا ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکابر امت کو ''بدعت'' سے سخت نفرت تھی۔

بدعت کے علاوہ آدمی جو گناہ بھی کرتا ہے اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ میں ایک غلط کام کر رہا ہوں۔ وہ اس گناہ پر پشیمان ہوتا ہے اور اس سے توبہ کر لیتا ہے۔ مگر ''بدعت'' ایسا منحوس گناہ ہے کہ کرنے والا اس کو غلطی سمجھ کر نہیں بلکہ ایک ''اچھائی'' سمجھ کر کرتا ہے اور شیطان اس گناہ کو اس کی نظر میں ایسا خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے کہ اسے اپنی غلط روی کا کبھی احساس ہی نہ ہونے پائے اور وہ مرتے دم تک توبہ سے محروم رہے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے گناہ گاروں اور پاپیوں کو توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے مگر بدعت کے مریض کو کبھی شفا نہیں ہوتی سوائے اس کے کہ خدا تعالیٰ کی خاص رحمت اس کی دستگیری کرے اور بدعت کی برائی اس کے سامنے کھل جائے۔ اب ہم ذیل میں ان بدعتوں کا تذکرہ کریں گے جن میں امت کا ایک بہت بڑا طبقہ مبتلا ہے۔

## قبر پر اذان کہنا

سب جانتے ہیں کہ شریعت نے نماز پنج گانہ اور جمعہ کے سوا عیدین، نماز کسوف وخسوف، نماز استسقاء اور جنازہ کی نمازوں کے لئے بھی اذان واقامت تجویز نہیں کی اب اگر کوئی شخص اجتہاد کرے کہ جیسے پانچ نمازوں کے اعلان واطلاع کے لئے اذان کی ضرورت ہے وہی ضرورت چونکہ یہاں بھی موجود ہے۔ لہٰذا نماز جنازہ، نماز استسقاء وغیرہ میں بھی اذان کہنی چاہیے تو اس کا یہ اجتہاد صریح غلط ہوگا اس لئے کہ جو

مصلحت اس کی عقل شریف میں آئی ہے اگر وہ لائق اعتبار ہوتی تو شریعت ان موقعوں پر بھی ضرور اذان کا حکم دیتی۔

یا مثلاً کوئی شخص یہ اجتہاد کرے کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اذان سنتے ہی شیطان بھاگ جاتا ہے چونکہ مردے کے پاس سے شیطان کو بھگانا ضروری ہے اس لئے دفن کے بعد قبر پر اذان کہی جائے تو یہ اجتہاد بھی بالکل غلط سمجھا جائے گا کیونکہ اول شیطان تو انسان کو مرنے سے پہلے پہلے گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جو مر گیا شیطان کو اس سے کیا کام؟ دوسرے اگر یہ مصلحت صحیح ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وتابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کی سمجھ میں بھی آسکتی تھی، مگر آنحضرت ﷺ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وتابعین سے قبر پر اذان کہنا ثابت نہیں اسی بناء پر فقہاء اہلسنت نے اس کو ''بدعت'' کہا ہے۔ حنفی مسلک کے سرخیل اور مشہور ومعروف عالم علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ ''باب الاذان'' میں لکھتے ہیں کہ ''خیر رملی رحمۃ اللہ علیہ نے بحرالرائق کے حاشیے میں لکھا کہ بعض شافعیہ نے اذان مولود پر قیاس کر کے دفن میت کے وقت اذان کہنے کو مندوب کہا ہے مگر ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے شرح عباب میں اس قیاس کو رد کیا ہے۔''

(ردالمحتار ص ۳۸۵/، ج ۱/، طبع جدید، بحوالہ: اختلاف امت اور صراط مستقیم)

## نمازوں کے بعد مصافحہ کا رواج

شریعت نے باہر سے آنے والے کے لئے سلام ومصافحہ مسنون ٹھہرایا ہے مگر مجلس میں بیٹھے بیٹھے لوگ اچانک ایک دوسرے سے مصافحہ ومعانقہ کرنے لگیں۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وتابعین اور سلف وصالحین میں اس لغو وفضول حرکت کا رواج نہیں تھا بعد میں نہ جانے کس مصلحت کی بناء پر بعض لوگوں میں فجر، عصر، عیدین

اور دوسری نمازوں کے بعد مصافحہ کا رواج چل نکلا۔ جس پر علمائے اہلسنت کو اس کے "بدعت" ہونے کا فتویٰ دینا پڑا۔

حنفی مسلک کے جلیل القدر اور عالی المرتبت عالم دین علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ جن کی فقہ کی کتاب "ردالمحتار" حنفی مسلک کے ماننے والوں کے لئے ایک مستند اور مدلل کتاب کی حیثیت رکھتی ہے اور جسے پڑھے بغیر کوئی مفتی نہیں کہلاتا اور جسے دیکھ کر ہر حنفی مفتی فتویٰ دیتا ہے وہ لکھتے ہیں۔

"اور ہمارے بعض علماء (احناف) اور دیگر حضرات نے صراحت کی ہے کہ نمازوں کے بعد جو مصافحہ کرنے کی عادت ہوگئی ہے یہ مکروہ ہے باوجود یہ کہ اصل مصافحہ سنت ہے۔ اس کے بدعت ہونے کی وجہ اس کے سوا کیا ہے کہ اس خاص موقع پر مصافحہ سلف صالحین سے منقول نہیں۔"

(ردالمحتار ص/۲۳۵، ج/۲۔ بحوالہ: اختلاف امت اور صراط مستقیم)

## نماز جنازہ کے بعد دعا

شریعت نے نماز جنازہ کے بعد اجتماعی طور پر دعا کرنے کی اجازت نہیں دی اور نہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وتابعین اس موقع پر اجتماعی دعا کیا کرتے تھے۔ اس لئے جنازہ کے بعد دعا کرنا اور اس کو ایک سنت بنالینا "بدعت" ہوگا۔ جنازہ کے بعد دعا کرنی ہو تو نماز جنازہ کے بعد فوراً کسی تاخیر کے بغیر جنازہ اٹھاتے اور لے جاتے ہوئے ہر شخص اپنے طور پر دعا کرے۔ آنحضرت ﷺ سے جنازے کی جو کیفیت منقول ہے اس میں ردوبدل کی اجازت نہیں۔

(بحوالہ اختلاف امت اور صراط مستقیم)

# انگوٹھے چومنا

بعض لوگ غلط سلط روایات سے بعض بدعات کا جواز ثابت کیا کرتے ہیں۔
اس لئے وہ قاعدہ یاد رکھنا چاہئے جو حنفی مسلک کے مشہور فقیہ صاحب درمختار نے خیر رملی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریب سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ کمزور روایات پر عمل کرنے کی تین شرطیں ہیں۔ ایک یہ ہے کہ وہ روایات بہت زیادہ کمزور نہ ہوں۔ مثلاً اس کا کوئی راوی جھوٹا یا جھوٹ سے متہم نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ چیز شریعت کے کسی عام اصول کے تحت داخل ہو۔ تیسرے یہ کہ اس کو سنت نہ سمجھا جائے۔ (ردالمحتار ص/۱۲۸، ج/۱)

بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ اذان واقامت میں آنحضرت ﷺ کا اسم گرامی سن کر انگوٹھے چومتے ہیں اور اس کے ثبوت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی جاتی ہے۔ بدقسمتی سے اس میں مذکورہ بالا تین شرطوں میں سے ایک بھی نہیں پائی جاتی۔

اول:۔ تو وہ روایت ایسی مہمل ہے کہ ماہرین علم حدیث نے اس کو موضوع اور من گھڑت کہا ہے۔

دوسرے:۔ یہ روایت اصل دین میں سے کسی اصل کے تحت داخل نہیں۔

تیسرے، اس کے کرنے والے نہ صرف سنت سمجھتے ہیں بلکہ دین کا اعلیٰ ترین شعار تصور کرتے ہیں اور حنفی مسلک کے جلیل القدر اور عالی المرتبت علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اکابر نے ایسا کرنے کو افتراء علی الرسول (حضرت ﷺ کے متعلق جھوٹ نقل کرنا) قرار دیا ہے۔

اب اگر اذان واقامت کے وقت آنحضرت ﷺ کا نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنا سنت ہوتا تو جس طرح اذان واقامت مسلمانوں میں متواتر چلی آتی ہے اور میناروں پر گونجتی ہے اس طرح یہ عمل بھی مسلمانوں میں متواتر ہوتا۔ احادیث صحیحہ کی ساری کتابوں میں اس کو درج کیا جاتا۔

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وتابعین اور سلف صالحین کی پوری جماعت اس پر عمل پیرا ہوتی اور مشرق سے مغرب تک پوری امت اس پر عمل پیرا ہوتی۔

ایک قاعدہ ہمیشہ یاد رکھیں کہ اگر ایک چیز بذات خود مستحب اور مندوب ہے مگر اس کا ایسا التزام (اہتمام) کرنا کہ رفتہ رفتہ اس کو ضروری سمجھا جانے لگے اور اس کے ترک (یعنی چھوڑنے) والے کو ملامت کی جانے لگے تو وہ فعل مستحب کے بجائے گناہ اور بدعت بن جاتا ہے۔

حدیث وفقہ کی کتابوں میں اس قاعدے کی بہت سی مثالیں مذکور ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ ہمارے ائمہ احناف نے نمازوں کے بعد سجدہ شکر ادا کرنے کو مکروہ لکھا ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ص/۱۳۶، ج/۱۔ شامی ص/۴۰، ج/۱۲)

فقہ حنفی کی مشہور کتاب درمختار (قبیل صلوٰۃ المسافر) وغیرہ میں ہے۔

ترجمہ:۔ ”سجدہ شکر مستحب ہے۔ اس پر فتویٰ ہے لیکن نمازوں کے بعد مکروہ ہے کیونکہ جاہل لوگ اس کو سنت یا واجب سمجھ بیٹھیں گے اور ہر مباح جس کا یہ نتیجہ ہو وہ مکروہ ہے۔“

فقہ حنفی کے مشہور اور جلیل القدر عالم علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس پر یہ اضافہ کرتے ہیں کہ یہ مکروہ تحریمی ہے اس لئے کہ یہ ایک ایسی بات کو جو دین نہیں، دین میں

ٹھونسنے کے مترادف ہے۔

(ردالمحتار ص/۱۲۰، ج/۲۔ بحوالہ: اختلاف امت اور صراط مستقیم)

## اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام

اذان سے پہلے صلوۃ وسلام کے مسئلے کو اسی طرح سمجھ لینا چاہئے۔ کتب احادیث میں جو اذان موجود ہے وہ اللہ اکبر سے شروع ہو کر لا الہ الا اللہ پر ختم ہوتی ہے۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ جہاں سے دین آیا ہے وہاں بھی یہی اذان مروج ہے، بے شک بحیثیت مسلمان ہم زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھیں لیکن خدا کے واسطے اس اذان کا حصہ بنا کر اور اذان سے جوڑ کر تحریف فی الدین نہ کریں کیونکہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین اور سلف صالحین سے اس طرح اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام اور پھر اذان ثابت نہیں۔

آنحضرت ﷺ کے سفر وحضر کے مقرر کردہ مؤذن حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ نے بھی کبھی اذان سے پہلے اس طرح باآواز بلند صلوٰۃ وسلام اور پھر اذان نہیں کہی لہٰذا یہ بھی دیگر بدعتوں کی طرح ایک ''بدعت'' ہے جس سے احتراز (بچنا) لازم ہے۔

## پختہ مزارات اور ان کے قبّے

شریعت نے قبروں کے معاملے میں افراط وتفریط کو جائز نہیں کہا۔ چنانچہ ان کی بے حرمتی کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ اور ان کی تعظیم میں مبالغہ وغلو کرنے سے بھی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قبروں کو پختہ کرنے، ان پر قبّے تعمیر کرنے اور ان پر بیٹھنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص/۱۴۸)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے اس مہم پر روانہ

فرمایا تھا کہ جس تصویر یا مورتی کو دیکھوں اس کو مٹا ڈالوں اور جس قبر کو اونچا دیکھوں اسے برابر کر دوں۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۸)

ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پختہ قبریں بنانا یا ان پر قبے تعمیر کرنا جائز نہیں خود آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے دونوں رفقاء (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وحضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ) کی قبور بھی پختہ نہیں بلکہ کچی ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۹)

ہمارے ائمہ اہل سنت نے انہی ارشادات کی روشنی میں اس کے حرام ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ (جو ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور ان کے مذہب کے مدوّن ہیں) فرماتے ہیں۔

ترجمہ:۔ ہم اس کو صحیح نہیں سمجھتے کہ جو مٹی قبر سے نکلے اس سے زیادہ ڈالی جائے۔ اور ہم قبریں پختہ بنانے اور ان کی لپائی کو مکروہ جانتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے قبریں مربع بنانے اور انہیں پختہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ہمارا یہی مذہب ہے اور یہی حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے۔

(کتاب الاثار ص ۹۶)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرات اولیاء اللہ کے مزارات پر جو گنبد اور قبے بنے ہوئے ہیں ہمارے اکابر اہل سنت والجماعت اس سے بالکل بری ہیں۔

## قبروں پر غلاف (چادریں) چڑھانا

قبروں پر غلاف چڑھانا بھی جائز نہیں۔ آنحضرت ﷺ، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وتابعین اور ائمہ ہدیٰ کے مبارک زمانے میں کسی کی قبر پر چادر نہیں چڑھائی گئی۔ فقہ حنفی کے مشہور علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ترجمہ:۔ الاحکام

میں ''الحجۃ'' سے نقل کیا ہے کہ قبروں پر چادر ڈالنا مکروہ ہے۔ (ردالمحتار ص/۲۲۸، ج/۲)

## قبروں پر چراغ جلانا

قبر پر چراغ اور قندیل روشن کرنے سے آنحضرت ﷺ نے نہ صرف ممانعت فرمائی ہے بلکہ ایسا کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

ترجمہ حدیث:۔ آنحضرت ﷺ نے لعنت فرمائی ہے ان عورتوں پر جو قبروں پر جاتی ہیں اور ان لوگوں پر جو قبروں کو سجدہ گاہ بناتے ہیں اور ان پر چراغ جلاتے ہیں۔

(مشکوۃ شریف ص/۷۱)

## قبروں کا طواف اور سجدہ وغیرہ

ناواقف لوگ قبروں کو سجدہ کرتے ہیں۔ ان کا طواف کرتے ہیں۔ ان کے آستانے کو چومتے ہیں۔ یہ تمام افعال شرعاً ناجائز ہیں اور ائمہ اہل سنت نے ان کے حرام وناجائز ہونے کی تصریح کی ہے۔ کیونکہ ان میں سے کوئی چیز بھی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین، سلف صالحین سے ثابت نہیں۔

طواف، سجدہ، رکوع، ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا یہ سب عبادت کی شکلیں ہیں اور ہماری شریعت نے قبروں کی ایسی تعظیم کی اجازت نہیں دی ہے کہ پوجا کی حد تک پہنچ جائے۔

آنحضرت ﷺ کو معلوم تھا کہ پہلی امتیں اس غلو سے گمراہ ہوئی ہیں۔ اس لئے آپ ﷺ نے اپنی امت کو ان افعال سے بچنے کی تاکید اور وصیت فرمائی ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنے آخری ایام میں فرماتے تھے۔

ترجمہ حدیث:۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو یہود ونصاریٰ پر کہ انہوں نے اپنے نبیوں

کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۶۹)

ایک اور حدیث میں ارشاد نبوی ﷺ ہے سنو! تم سے پہلے لوگ اپنے نبیوں اور ولیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا کرتے تھے، خبردار! تم قبروں کو سجدہ کی جگہ نہ بنانا میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔ (حوالہ بالا)

## قبروں پر منتیں اور چڑھاوے

بہت سے لوگ نہ صرف اولیاء اللہ سے مرادیں مانگتے ہیں بلکہ ان کی منتیں بھی مانتے ہیں کہ اگر ان کا فلاں کام ہوجائے تو ان کی قبر پر غلاف (چادر) یا شیرینی چڑھائیں گے یا اتنی رقم ان کی نذر کریں گے۔ اس سلسلہ میں چند مسائل معلوم کرلینا ضروری ہیں۔

منت ماننا اور نذر و نیاز دینا عبادت ہے اور اللہ کے سوا کسی کی عبادت جائز نہیں۔ ہمارے فقہ حنفی کی مشہور و مستند کتاب درمختار میں ہے۔

ترجمہ عبارت:۔ جاننا چاہئے کہ اکثر عوام کی طرف سے مُردوں کے نام کی جو نذر مانی جاتی ہے۔ اور اولیاء کرام کی قبروں پر روپے پیسے اور شمع وغیرہ ان کے تقرب کی خاطر جو لائے جاتے ہیں۔ وہ بالاجماع (بالاتفاق) باطل اور حرام ہے اور لوگ اس میں بکثرت مبتلا ہیں۔ خصوصاً اس زمانے میں۔ (درمختار قبیل باب الاعتکاف)

خلاصہ یہ کہ اولیاء اللہ کے مزارات پر جو منتیں مانی جاتی ہیں اور جو چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں۔ اگر ان سے محض ان بزرگوں کی رضا و تقرب مقصود ہو اور یہ خیال ہو کہ ان نذروں کو قبول کرکے وہ ہمارا کام کردیں گے اور اگر ہم نے ان کے نام کی منت نہ دی تو وہ ہم سے ناراض ہوجائیں گے اور اُن کی ناراضگی سے ہمارے

کاروبار، جان و مال، اولاد، بیوی، بچوں کو نقصان پہنچے گا تو جیسے کہ اوپر درمختار کی عبارت گزری ہے یہ بالاجماع حرام اور باطل ہے اور اس کے شرک ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور اگر ان بزرگوں کی منت نہیں مانی جاتی بلکہ منت تو صرف اللہ تعالیٰ کے نام کی مانی جاتی ہے اور ان بزرگوں کی ناراضگی و رضامندی کا اس منت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ ان کو صرف ثواب پہنچانا مقصود ہے تو یہ منت بلاشبہ صحیح ہے۔ لیکن ایسی منت بھی (شیرینی، ذبح کرنے کے لئے بکرا یا دیگ وغیرہ) مزار پر لے جانا پھر بھی درست نہیں۔

## تیجہ، ساتواں، چالیسویں وغیرہ کی رسم

شریعت نے آنحضرت ﷺ، بزرگان دین اور عام مسلمانوں کے ایصال ثواب کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں کیا۔ آدمی جب چاہے ایصال ثواب کر سکتا ہے۔ لہٰذا اس کے لئے خاص خاص اوقات اور خاص خاص صورتیں تجویز کر لینا، انہی کی پابندی کو ضروری سمجھنا ''بدعت'' ہوگا۔

برصغیر کے محدث و مفسر جلیل القدر عالم حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ ربیع الاول میں آنحضرت ﷺ کی روح پُرفتوح کے ایصال ثواب کے لئے اور محرم میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور دیگر اہل بیت کے ایصال ثواب کے لئے کھانا پکانا صحیح ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔

ترجمہ عبارت:۔ اس کام کے لئے دن، وقت اور مہینہ مقرر کر لینا ''بدعت'' ہے ہاں! اگر ایسے وقت عمل کیا جائے جس میں ثواب زیادہ ہوتا ہو تو مضائقہ نہیں۔ مثلاً ماہِ رمضان میں کہ اس میں بندہ مؤمن کا عمل ستر گنا بڑھ جاتا ہے کیونکہ پیغمبر ﷺ نے اس کی ترغیب فرمائی ہے۔ امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ جو چیز کہ

صاحب شریعت ﷺ نے اس کی ترغیب نہیں دی اور اس کا وقت مقرر نہیں فرمایا وہ فعل عبث (فضول) ہے اور سید الانام ﷺ کی سنت کے مخالف......اور جو چیز مخالف سنت ہو وہ حرام ہے، ہرگز روا، نہ ہوگی۔ اور اگر کسی کا جی چاہتا ہے تو خفیہ طور پر خیرات کردے، جس دن بھی چاہے تاکہ نمود ونمائش نہ ہو۔ (فتاویٰ عزیزی ص/۹۳)

اسی قاعدے کی بناء پر علماء اہل سنت نے تیجا، ساتواں، نواں، چالیسواں کرنے کی رسم کی ''بدعت'' کہا ہے۔

ہندوستان کے جلیل القدر، عالی المرتبت حضرت قاضی ثناء اللہ حنفی پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وصیت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ ترجمہ عبارت:۔ میرے مرنے کے بعد دینوی رسمیں۔ جیسے دسواں، بیسواں، ششماہی اور برسی کچھ نہ کریں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تین دن سے زیادہ سوگ کرنے کو جائز نہیں رکھا۔ بلکہ حرام قرار دیا ہے۔

(مالابدمنہ ص/۱۶۰)

نیز یہ تیجہ، ساتواں، نواں، چالیسواں، برسی عرس وغیرہ نہ تو قرآن وسنت سے ثابت ہیں نہ ہی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین، سلف صالحین کی مبارک زندگیوں سے، کسی صحابی یا تابعی کا تیجہ، ساتواں، نواں، چالیسواں نہیں ہوا کتب احادیث اس پر گواہ ہیں۔ (بحوالہ:۔ اختلاف اُمت اور صراط مستقیم)

## گیارہویں کی رسم

ہر قمری مہینے کی گیارہویں رات حضرت محبوب سبحانی شیخ المشائخ شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر جو کھانا تیار کیا جاتا ہے وہ ''گیارہویں شریف'' کے نام سے مشہور ہے، اس سلسلہ میں چند امور لائق توجہ ہیں۔

گیارہویں شریف کا رواج کب شروع ہوا؟ تحقیق کے باوجود اس کی صحیح تاریخ معلوم نہیں ہوسکی، تاہم اتنی بات تو معلوم ہے کہ سیدنا شاہ عبدالقادر جیلانی (نوراللہ مرقدہ) جن کے نام کی گیارہویں دی جاتی ہے ان کی ولادت ۴۷۰ھ میں ہوئی اور نوے سال کی عمر میں ان کا وصال ۵۶۱ھ میں ہوا، ظاہر ہے کہ گیارہویں کا رواج ان کے وصال کے بعد ہی کسی وقت شروع ہوا ہوگا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وتابعین، ائمہ دین خصوصاً امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور خود حضرت پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی گیارہویں نہیں دیتے ہونگے۔

اب آپ خود ہی فیصلہ فرماسکتے ہیں کہ جس عمل سے اسلام کی کم از کم چھ صدیاں خالی ہوں۔ کیا اسے اسلام کا جز تصور کرنا اور اسے ایک اہم ترین عبادت کا درجہ دے ڈالنا صحیح ہوگا؟ اور آپ اس بات پر بھی غور فرماسکتے ہیں کہ جو لوگ گیارہویں نہیں دیتے ہیں کیا وہ آنحضرت ﷺ، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وتابعین، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت پیران پیر کے نقش قدم پر چل رہے ہیں یا وہ لوگ جو گیارہویں دیتے ہیں۔

جاہل لوگ گیارہویں رات کی پابندی کو کچھ ایسا ضروری سمجھتے ہیں گویا یہی خدائی شریعت ہے۔ اگر اس کے بجائے کسی اور دن ایصال ثواب کرنے کو کہا جائے تو یہ حضرات اس پر کسی طرح راضی نہیں ہونگے اور جیسا کہ پیچھے امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا ارشاد پاک گزرا، فرماتے ہیں کہ: جو چیز کہ صاحب شریعت ﷺ نے اس کی ترغیب نہیں دی اور اس کا وقت مقرر نہیں فرمایا وہ فعل عبث (فضول) ہے اور سید الانام ﷺ کی سنت کے مخالف۔ اور جو چیز مخالف سنت ہو، وہ حرام ہے۔ ہرگز روا، نہ ہوگی اگر کسی کا جی چاہتا ہے تو خفیہ طور پر خیرات کردے، جس دن بھی چاہے۔ تاکہ نمود و نمائش نہ ہو۔ (فتاویٰ عزیزی ص ۹۳/۲، بحوالہ: اختلاف امت اور صراط مستقیم)

# عید میلاد النبی ﷺ

۱۲ ربیع الاول کو آنحضرت ﷺ کا ''جشن عید'' منایا جاتا ہے اور آج کل اسے اہل سنت کا خاص شعار سمجھا جانے لگا ہے اس کے بارے میں بھی چند نکات عرض کرتا ہوں۔

سب سے پہلے دیکھنے کی بات تو یہ ہے کہ جو فعل صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وتابعین کے زمانے میں کبھی نہیں ہوا بلکہ جس کے وجود سے اسلام کی چھ صدیاں خالی چلی آئی ہیں۔ آج وہ ''اسلام کا شعار'' کہلاتا ہے۔ اس شعار اسلام کو زندہ کرنے والے ''عاشقانِ رسول'' کہلاتے ہیں اور جو لوگ اس نو ایجاد شعارِ اسلام سے ناآشنا ہوں ان کو دشمنانِ رسول تصور کیا جاتا ہے۔

کاش! ان حضرات نے کبھی یہ سوچا ہوتا کہ چھ صدیوں کے جو مسلمان ان کے اس خود تراشیدہ شعار اسلام سے محروم رہے ان کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟ کیا وہ سب نعوذ باللہ دشمنانِ رسول ﷺ تھے؟ پھر انہوں نے اس بات پر بھی کبھی غور کیا ہوتا کہ اسلام کی تکمیل کا اعلان تو ''حجۃ الوداع'' میں عرفہ کے دن ہو گیا تھا۔ اس کے بعد وہ کونسا پیغمبر آیا تھا جس نے ''جشن عید'' کو ان کے لئے ''شعار اسلام'' بنا دیا جس سے چھ صدیوں کے مسلمان ناآشنا تھے؟ کیا اسلام میرے یا کسی کے ابا کے گھر کی چیز ہے کہ جب چاہو اس کی کچھ چیز حذف کر دو۔ اور جب چاہو اس میں کچھ اور چیزوں کا اضافہ کر ڈالو۔ اگرچہ ''میلاد'' کی رسم ساتویں صدی کے آغاز سے شروع ہو چکی تھی اور لوگوں نے اس میں بہت سے امور کے اضافے بھی کئے لیکن کسی کو یہ جرأت نہیں ہوئی تھی کہ اس کو ''عید'' کا نام دیتا کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ میری قبر کو ''عید'' نہ بنانا۔ مگر اب چند سالوں سے اس سالگرہ کو ''عید میلاد النبی'' کہلانے کا شرف بھی حاصل ہو گیا ہے۔

دنیا کا کون سا مسلمان اس سے ناواقف ہوگا کہ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کے لئے ''عید'' کے دو دن مقرر کئے ہیں۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔ اگر آنحضرت ﷺ کے یوم ولادت کو بھی ''عید'' کہنا صحیح ہوتا، اور اسلام کے مزاج سے یہ چیز کوئی مناسبت رکھتی تو آنحضرت ﷺ خود ہی اس کو ''عید'' قرار دے سکتے تھے اور اگر آنحضرت ﷺ کے نزدیک یہ چیز پسندیدہ ہوتی تو آپ ﷺ نہ سہی، خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی آپ ﷺ کے یوم ولادت کو ''عید'' کہہ کر ''جشن عید میلاد النبی ﷺ'' کی طرح مناڈالتے، مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا، اس سے دو ہی نتیجے نکل سکتے ہیں یا یہ کہ ہم اس کو ''عید'' کہنے میں غلطی پر ہیں۔ یا یہ کہ نعوذ باللہ ہمیں تو آنحضرت ﷺ کے یوم ولادت کی خوشی ہے مگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین خصوصاً خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کوئی خوشی نہیں تھی۔ انہیں آپ ﷺ سے اتنا عشق بھی نہیں تھا جتنا ہمیں ہے۔ ستم یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی تاریخ ولادت میں تو اختلاف ہے۔ بعض ۹ ربیع الاول بتاتے ہیں۔ بعض ۸ ربیع الاول اور مشہور ۱۲ ربیع الاول ہے لیکن اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ آنحضرت ﷺ کی وفات شریفہ ۱۲ ربیع الاول ہی کو ہوئی۔ گویا ہم نے ''جشن عید'' کے لئے دن بھی تجویز کیا تو وہ جس میں آنحضرت ﷺ اس دنیا سے وفات پاگئے اگر کوئی ہم سے یہ سوال کرے کہ تم لوگ ''جشن عید'' آنحضرت ﷺ کی ولادت طیبہ پر مناتے ہو یا آنحضرت ﷺ کی وفات کی خوشی میں؟ (نعوذ باللہ) تو شاید ہمیں اس کا جواب دینا بھی مشکل ہوگا۔ بہرحال اس دن کو ''عید'' کہنا معمولی بات نہیں بلکہ صاف صاف تحریف فی الدین ہے۔ اس لئے کہ ''عید'' اسلامی اصطلاح ہے اور اسلامی اصطلاح کو اپنی خود رائی سے غیر منقول جگہوں پر استعمال کرنا دین میں تحریف ہے۔

اور پھر یہ عید جس طرح آنحضرت ﷺ کی شان کے مطابق منائی جاتی ہے وہ بھی لائق شرم ہے، بے ریش لڑکے غلط سلط نعتیں پڑھتے ہیں، موضوع اور من گھڑت قصے کہانیاں جن کا حدیث وسیرت کی کسی کتاب میں کوئی وجود نہیں، بیان کی جاتی ہیں، شور وشغب ہوتا ہے، نمازیں غارت ہوتی ہیں اور نا معلوم کیا کیا ہوتا ہے۔ کاش آنحضرت ﷺ کے نام پر جو ''بدعت'' ایجاد کی گئی تھی اس میں کم از کم آپ ﷺ کی عظمت وتقدس ہی کو ملحوظ رکھا جاتا۔ غضب یہ کہ سمجھا یہ جاتا ہے آنحضرت ﷺ ان خرافاتی محفلوں میں بنفس نفیس تشریف بھی لاتے ہیں۔ فیا غربۃ السلام! (ہائے اسلام کی بیچارگی!)۔

کچھ عرصے سے ہمارے کراچی میں ''عید میلاد النبی ﷺ'' کے موقع پر آنحضرت ﷺ کے روضہ اطہر اور بیت اللہ شریف کی شبیہ بنائی جاتی ہے اور بڑے بڑے چوکوں میں سانگ بنا کر رکھے جاتے ہیں۔ لوگ ان سے تبرک حاصل کرتے ہیں۔ اور ''بیت اللہ'' کی خود ساختہ شبیہ کا طواف بھی کرتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ مسلمانوں کے ہاتھوں اور علماء کی نگرانی میں کرایا جا رہا ہے۔ فیا اسفاہ، (ہائے افسوس)

اس پر جو ہزاروں روپیہ خرچ کیا جاتا ہے یہ محض اسراف وتبذیر اور فضول خرچی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے قبروں پر چراغ اور شمع جلانے والوں پر اس لئے لعنت فرمائی ہے کہ یہ فعل عبث (فضول) ہے اور خدا کے دیئے ہوئے مال کو مفت ضائع کرنا ہے۔ ذرا سوچئے! جو مقدس نبی ﷺ قبر پر ایک چراغ جلانے کو فضول خرچی کی وجہ سے ممنوع اور ایسا کرنے والوں کو ملعون (لعنتی) قرار دیتا ہے، اس کا ارشاد اس ہزاروں لاکھوں روپے کی فضول خرچی کرنے والوں کے بارے میں کیا ہوگا؟

حنفی مسلک کی مشہور ومعروف کتاب البحر الرائق، کفایہ شرح ہدایہ اور معراج الدرایہ میں ہے کہ ''جو شخص کعبہ شریف کے علاوہ کسی اور مسجد کا طواف کرے اس کے

حق میں کفر کا اندیشہ ہے۔ (الجنۃ اہل السنۃ ص ۷، بحوالہ: اختلاف امت اور صراط مستقیم)

## سیرت النبی ﷺ کے جلسے اور بے پردگی

ہمارے معاشرے میں اب ایسی محفلیں ہونے لگی ہیں جن میں مخلوط اجتماع ہے۔ عورتیں اور مرد ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں اور سیرت طیبہ کا بیان ہو رہا ہے۔ نبی ﷺ نے عورتوں کو فرمایا کہ اگر تمہیں نماز بھی پڑھنی ہو تو مسجد کے بجائے گھر میں پڑھو اور گھر میں صحن کے بجائے کمرے میں پڑھو اور کمرے میں بہتر یہ ہے کہ کوٹھری میں پڑھو، عورت کے بارے میں آپ ﷺ یہ حکم دے رہے ہیں، لیکن انہی سرکار دو عالم ﷺ کا ذکر مبارک ہو رہا ہے، پوری آرائش اور زیبائش کے ساتھ سج دھج کر بے پردہ ہو کر خواتین شریک ہو رہی ہیں اور مرد بھی ساتھ موجود ہیں۔

## سیرت النبی ﷺ کے جلسے میں موسیقی

سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا مجھے جس کام کے لئے بھیجا گیا ہے، اس میں سے ایک اہم کام یہ ہے کہ میں ان باجوں، بانسریوں کو اور ساز و سرود کو اور آلات موسیقی کو اس دنیا سے مٹا دوں لیکن آج انہیں سرکار دو عالم ﷺ کے نام پر محفل منعقد ہو رہی ہے۔ جلسہ ہو رہا ہے اور اس میں ساز و سرود (موسیقی) کے ساتھ نعت پڑھی جا رہی ہے اور اس میں قوالی شریف ہو رہی ہے قوالی کے ساتھ لفظ ''شریف'' بھی لگ گیا ہے اور اس میں پورے آب و تاب کے ساتھ ہارمونیم بج رہا ہے۔ ''ساز و سرود ہو رہا ہے۔ عام گانوں میں اور نبی کریم ﷺ کی نعت میں کوئی فرق نہیں رکھا جا رہا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی سیرت کے ساتھ اس سے بڑا مذاق اور کیا ہو سکتا ہے۔

اس کے علاوہ ریڈیو اور ٹیلیویژن پر عورتیں اور مرد مل کر نعتیں پڑھ رہے ہیں۔ ٹیلیویژن دیکھنے والوں نے بتایا کہ عورتیں پوری آرائش اور زیبائش کے ساتھ ٹیلیویژن

پر آرہی ہیں۔ یہ کیا مذاق ہے جو آپ ﷺ کی سیرت طیبہ اور آپ ﷺ کی تعلیمات کے ساتھ ہو رہا ہے۔ عورت جس کے بارے میں قرآن کریم نے فرمایا کہ

یعنی زمانہ جاہلیت کی طرح تم بناؤ سنگھار کر کے مردوں کے سامنے مت آؤ۔ آج وہی عورت پورے میک اپ اور بناؤ سنگھار کے ساتھ غیر محرم مردوں کے سامنے آرہی ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کی شان میں نعت پڑھ رہی ہے۔ حالانکہ مسئلہ یہ ہے کہ جس طرح عورت کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو نامحرم مردوں کے سامنے آنے سے بچائے اسی طرح اس کے ذمہ یہ بھی ضروری ہے کہ اپنی آواز بھی بلاضرورت نامحرم مردوں تک پہنچنے سے روکے۔ جب عورتوں کو حج میں تلبیہ (لبیک اللھم لبیک) زور زور سے پڑھنے کے بجائے آہستہ آواز میں پڑھنے کا حکم ہے تو پھر تقریروں اور نعتوں کی آواز غیر محرموں کو سنوانے کی کہاں اجازت ہوگی؟ نبی کریم ﷺ کی نعت اور سیرت کے ساتھ اس سے بڑا ظلم اور کیا ہوسکتا ہے؟ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ان چیزوں کی وجہ سے اللہ کی رحمت آپ کی طرف متوجہ ہوگی۔ تو پھر آپ سے زیادہ دھوکے میں کوئی اور نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ کی سنتوں کو مٹا کر، آپ ﷺ کی تعلیمات کی خلاف ورزی کر کے، آپ کی سیرت طیبہ کی مخالفت کر کے اور اس کا مذاق اڑا کر بھی اگر آپ اس کے متمنی ہیں کہ اللہ کی رحمتیں آپ پر نچھاور ہوں تو اس سے بڑا مغالطہ اور اس سے بڑا دھوکا اس روئے زمین پر کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ معاذ اللہ ...... یہ تو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کے عتاب کو دعوت دینے والی باتیں ہیں، وہ کام جو حضور ﷺ کی نافرمانی کے کام ہیں۔ وہ ہم سیرت طیبہ کو بیان کرتے وقت کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ''جشن عید میلاد النبی ﷺ'' کے نام پر جو خرافات رائج کر دی گئی ہیں اور جن میں ہر آئے سال اضافہ کیا جا رہا ہے۔ یہ اسلام کی دعوت، اس کی روح اور اس کے مزاج کے یکسر منافی ہیں۔

میں اس تصور سے پریشان ہو جاتا ہوں کہ ہماری ان خرافات کی روئداد (داستان)

جب آنحضرت ﷺ کی بارگاہ عالی میں پیش ہوتی ہوگی تو آپ ﷺ پر کیا گزرتی ہوگی؟ کیونکہ امت کے اچھے اور برے اعمال رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچائے جاتے ہیں۔ اچھے اعمال کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کو خوشی ہوتی ہے اور بُرے اعمال کی وجہ سے نبی ﷺ کو رنج وغم ہوتا ہے اور اگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہمارے درمیان موجود ہوتے تو ان چیزوں کو دیکھ کر ان کا کیا حال ہوتا؟ بہر حال اس کو نہ صرف ''بدعت'' بلکہ ''تحریف فی الدین'' تصور کیا جائے گا۔

اللہ رب العزت ہم سب مسلمانوں کی ان بدعات اور رسومات باطلہ سے حفاظت فرمائے اور اپنی اور اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حقیقی اتباع نصیب فرمائیں۔آمین (یارب العالمین)

آخر میں تمام قارئین سے درخواست ہے کہ میرے اور اُن تمام معاونین کے لئے (جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت میں کسی بھی قسم کا کردار ادا کیا ہے) دعا فرمایئے گا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا وآخرت کی ناکامیوں سے بچا کر کامیابیاں نصیب فرمائے اور اس کتاب کو ہمارے لئے ذریعہ نجات وصدقہ جاریہ بنائے۔

**وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وما علینا الا البلاغ المبین،ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم.**

اے ہمارے رب ہماری کوششوں کو قبول فرما۔ بے شک تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔

☆☆☆☆☆